

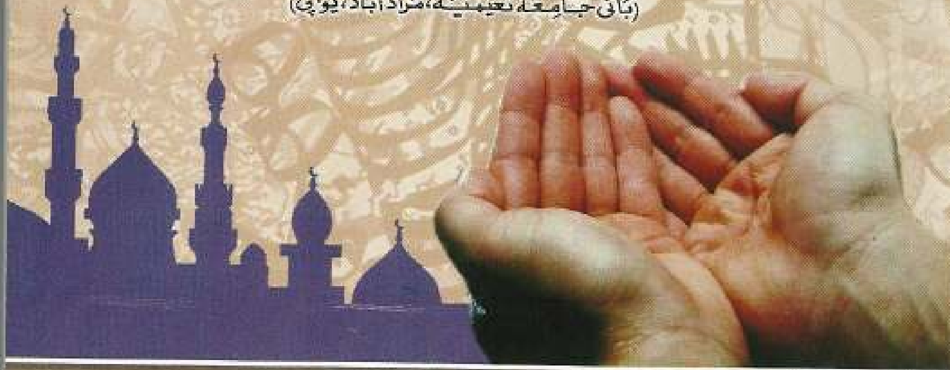
فیضانِ رحمت

(فاتحہ کا شرعی ثبوت)

مصنفہ

صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی

(بانی جامعہ نعیمیہ، مرادآباد، یو،پی)



ناشر

ادارۂ ترویج و اشاعت

مسجد نورُ الاسلام، بولٹن (یو، کے)

فیضانِ رحمت

(فاتحہ کا شرعی ثبوت)

مصنفہ

بانی جامعہ نعیمیہ صدر الافاضل

حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تحشیہ ،تخریج وتقدیم

مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی

دارالعلوم فیض نعیم ،پیپل سانہ مراد آباد

ناشر

ادارۂ ترویج واشاعت، مسجد نور الاسلام- بولٹن (یوکے)

نام کتاب	:	فیضانِ رحمت
مصنف	:	صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ
تحشیہ، تخریج وتقدیم	:	محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
ترتیب جدید	:	ڈاکٹر محمد آصف حسین
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	کمپیوٹر ایرا، نئی سڑک، مرادآباد
پہلا ایڈیشن	:	۱۹۰۲ء
جدید ایڈیشن	:	۲۰۱۰ء
صفحات	:	۱۵۲
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	
ناشر	:	ادارۂ ترویج واشاعت، مسجد نورالاسلام۔ بولٹن (یوکے)
تقسیم کار	:	مکتبہ نعیمیہ، دہلی-۶

FAIZAN-E-REHMAT



HAZRAT MOULANA NAIMUDDIN SB.
RAHMATULLAHALEHI

فہرست مضامین

ہدیہ تشکر

محترم حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی سنبھلی صاحب جو اس وقت بولٹن انگلینڈ کی جامع مسجد کے منصب امامت پر فائز ہیں اور دین کا سچا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں نیز دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ موصوف کا میں بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی تنظیم ادارۂ ترویج واشاعت مسجد نورالاسلام کی جانب سے کتاب ہذا کی طباعت کے لئے خطیر رقم اس حقیر کو مرحمت فرمائی۔

ساتھ ہی تنظیم کے دیگر اراکین کو بھی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں اور بارگاہ ارحم الراحمین میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تنظیم کو کامیابیوں وترقیوں سے ہمکنار فرمائے اور کارکنان تنظیم خصوصاً مولانا ممدوح کو دارین کی لازوال نعمتوں سے بہریاب فرمائے اور آخرت میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

آمین بجاه النبی الکریم علیه التحیة والتسلیم۔

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

دُعائیہ کلمات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل وکرم اور احسان ہے کہ آقائے نامدار تاجدارِ دوعالم رحمت اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل احقر کوفخر الاماثل صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ امسال اس تاریخ ساز ادارے کے قیام کو سوسال مکمل ہورہے ہیں۔ اس سلسلے میں احقر کی دلی خواہش رہی کہ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی نایاب تصنیفات کودوبارہ منظر عام پر لایا جائے۔ نیز حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کتب پرتخریج اور حاشیہ نگاری کے ساتھ ان کی ترتیب بھی جدید انداز میں کردی جائے تاکہ دورِجدید کے قارئین کومطالعے میں آسانی میسر ہو۔

آج باطل طاقتیں اور منافقین سیدھے سچے مسلمانوں کو بہکا کرانھیں اسلاف کے کارناموں وطریقہ کار سے بدظن کرکے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم جدید نسل کو اسلاف کے اُن کارناموں سے روشناس کرائیں جو انھوں نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے انجام دیئے اور دورِجدید کے تمام مسائل کا حل قبل از وقت پیش کردیا تھا تاکہ مخالفین کو دندان شکن جواب دے کر ہم اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت کرسکیں۔ زیرنظر کتاب کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کے حاشیہ اور تخریج کی خدمت نوجوان عالم دین فرزند جامعہ نعیمیہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی سلمہٗ نے انجام دی۔ نیز ایک طویل ابتدائیہ بھی قلم بند کیا جس میں کتاب کا پس منظر اور صاحب کتاب کے مختصر حالات زندگی بیان کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے جو محنت شاقہ کی اور عدیم الفرصتی کے باوجود جس طرح اس کام کے لئے وقت نکالا، اُس کے لئے وہ شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرما کر دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ ان کی جستجو اور تحقیق وتصنیف کے تعلق سے لگن کو دیکھتے ہوئے یہ اُمید ہے کہ ان کا مستقبل تابناک اور عالم سنیت کے لئے فیض کا منبع ہوگا۔

اسی طرح مرادآباد کے نوجوان ادیب ومحقق ڈاکٹر محمد آصف حُسین سلمہٗ نے کتاب کی اہمیت اور مصنف علیہ الرحمہ سے والہانہ عشق وعقیدت کی بنیاد پر اس کتاب کو جدید طرز سے آراستہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب کے صدقے اور طفیل ان کے اس ذوق وشوق میں اوراضافہ فرمائے اوردارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین

بہت ناسپاسی ہوگی اگر اس حسین موقعہ پر مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی نائب مفتی اعظم مرادآباد اور مولانا محمد اکبر علی مدرس جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور مخیر قوم جناب الحاج محمد غلام صابر لطیفی صاحب کا ذکر نہ کیا جائے کہ جن کی مسلسل مصروفیات کے باوجود کتاب کے طباعت تک تمام مراحل میں میرے ساتھ ہمہ تن مصروف عمل رہے۔ اور ہر الجھن وپریشانی میں مجھے حوصلہ وہمت افزائی کے ساتھ ساتھ مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔ ان حضرات کے علاوہ بھی جن لوگوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی قسم کا تعاون کیا، میں ان تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں۔ فقط

محمد یامین نعیمی اشرفی عفی عنہ

مہتمم مدرسہ جامعہ نعیمیہ، دیوان کا بازار مرادآباد

یکم ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

✍ مولوی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی

زیرِ نظر کتاب بنام ''فیضانِ رحمت بعد از دعائے برکت'' حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی گراں مایہ تصانیف میں سے ایک ہے جو تفسیری کواکب ودرر، درر بے بہائے حدیث، فقہی جواہر پارے اور دیگر علوم کی علمی وفنی تحقیقی وتنقیدی موشگافیوں سے مزین ہے۔آپ نے اس کتاب میں دلائل وبراہین کا انبار لگا دیا ہے کوئی بھی بات مجرد عن الدلیل نہیں ہے۔دراصل یہ کتاب ایک وہابی مولوی کی کتاب کا جواب لاجواب ہے،اس کتاب کا پس منظر قدرے تفصیل طلب ہے لیکن یہاں اس کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

صدرالافاضل کے پیرومرشد کاشف اسرار حقیقت غواص بحر طریقت ماہر علم شریعت حضور شیخ الکل حضرت العلام مفتی ومحدث مولانا محمد گل ساکن بلدۃ بکابل علیہ الرحمۃ خالق الکل کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری وباطنی دونوں سے سرفراز فرمایا تھا آپ اگر ایک طرف روحانی فیضان سے مخلوق کو فیضیاب فرما رہے تھے تو دوسری طرف علمی فیضان سے تشنگان علوم نبویہ کی سیرابی فرما رہے تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان فیض ترجمان کو فصاحت، بلاغت اور صداقت کا منبع، پرکشش، شیریں اور بااثر بنایا تھا وہیں آپ کے قلم کو جولانی بھی عطا فرمائی تھی آپ کا قلم

علمی لولوء و مرجان کا مخزن تھا اور یہ مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے جو آپ کی تصانیف کے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر منکشف ہے۔ آپ کی تصانیف کے اسماء درج ذیل ہیں:-

(۱) دعائے برکت بر طعام ضیافت، دعائے اموات بوقت جمعرات

(۲) اثبات المعقول بالمنقول علی رغم الف کل ظلوم وجهول

(۳) لولؤالمنثور فی مدح والی رام فور

(۴) ذخیرة العقبیٰ فی استحباب میلاد مصطفی

(۵) براهین بینه بر اثبات نذور معینه

مذکورۃ الصدر کتاب "دعائے برکت بر طعام ضیافت، دعائے اموات بوقت جمعرات" فاتحہ مروجہ سے متعلق امور کی تفصیلی بحث پر مشتمل ہے۔ ہم فی الوقت اپنے مقصد کے پیش نظر صرف اسی کتاب کے تعلق سے بحث کریں گے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں مطبع گلزار ابراہیم مراد آباد سے ہوئی، اس کتاب نے بعد اشاعت کافی شہرت حاصل کی اور بے حد مقبول ہوئی۔ اسی مقبولیت کے پیش نظر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کے درمیان (صحیح تاریخ کا علم نہ ہوسکا) دوسرا ایڈیشن مطبع شمس المطابع مراد آباد سے شائع ہوا، تیسرا ایڈیشن ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا اختصاص الدین صاحب خلف صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے توسط سے مطبع اہلسنت برقی پریس مراد آباد سے شائع ہوا، چوتھے اور آخری ایڈیشن کی اشاعت ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ء کو ادارہ ضیاء السنۃ جامع مسجد شاہ سلطان کالونی ریلوے روڈ ملتان سے ہوئی۔

اس کتاب کا جب پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور اس کو عوامی مقبولیت حاصل ہوئی تو صف اعداء میں کھلبلی مچ گئی مخالفین سے کوئی جواب نہ بن پڑا اسی درمیان کہ اعداء پس وپیش کی منزل میں تھے دعائے برکت کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوگیا، اس کے بعد مخالفین کی جانب سے ایک

کتاب ان کی خام خیالی کے مطابق کتاب لاجواب کا جواب **"اتباع السنة خیر للامة افاضة الخیرات فی کل احیان واوقات"** مصنفہ منشی شمس الدین محلّہ کسرول مرادآباد، مطبع شمس المطابع مرادآباد۔ منظر عام پر آئی، کتاب کیا تھی بقول حضور صدرالافاضل محض افترا واختراع نامہ تھی پوری کتاب میں علم کا کہیں بھی پتہ نہیں ہے۔ لیکن جھوٹے کو حد تک پہنچانا بھی ضروری تھا اس لئے حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے اپنے رہوار قلم کو مہمیز لگاتے ہوئے زیر نظر کتاب **"فیضان رحمت بعد از دعاء برکت"** تحریر فرمائی جو پہلی بار ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو مطبع محمود المطابع مرادآباد سے شائع ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ آج تک اس کا کوئی جواب معاندین کی جانب سے نہیں دیا گیا ہے۔ اور دیا بھی کیا جائے گا کہ یہ کتاب دلائل و براہین سے بھرپور اور قرآن واحادیث کے تناظر میں، اقوال صحابہ وتابعین وفقہاء وغیرہم کی روشنی میں لکھی گئی ہے، علاوہ ازیں نقوش قلم صاحب قلم کی ایجاد ہوتے ہیں اگر صاحب قلم ذی علم معتبر اور مستند ہوتا ہے تو نقوش قلم بھی علمی شہ پاروں سے موسوم لائق اعتبار و استناد ہوتے ہیں اور حرف اخیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صدرالافاضل کی شخصیت کے معتبر و مستند ہونے اور ماہر علوم شریعت ہونے میں کس کو شبہہ ہے؟ سوائے جاہل، متعصب، حاسد، کے، آپ کی شخصیت کسی پر پوشیدہ نہیں ہے جو سیاست سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی آپ کی شخصیت سے واقف ہیں جو مناظر ہیں ان پر بھی آپ کی ذات مضمر نہیں، جو مسافر راہ طریقت ہیں وہ بھی آپ کو جانتے ہیں اور جو علوم شرعیہ نبویہ کے ذمہ دار ہیں وہ بھی۔ الغرض ع

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

آیئے حضور صدرالافاضل کی سیرت پاک کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں اور اپنے قلوب کو جلا بخشیں۔

جلوہ نمائی

سرزمین مرادآباد کو یوں تو ایک سے ایک نابغۂ روزگار شخصیات اور مشہور زمانہ ہستیوں نے ولادت کا شرف بخشا لیکن مرادآباد کو ایسا کوئی مولود میسر نہ آیا جو حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کا ہم پلہ ہو۔ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء متبرک دن دوشنبہ کو آپ اس خاکدان گیتی پر قدم رنجہ ہوئے بلفظ دیگر آپ نے اپنے عطر بیز وجود مسعود سے سرزمین مرادآباد کو مشرف و معطر و منور فرمایا۔

۱۳۲۰ھ

خاندان

آپ کا خاندان دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے عزوشرف کا حامل تھا دیانت، شرافت، سخاوت، اور خدمت خلق آپ کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کے اجداد ایران کے مشہور شہر مشہد کے رہنے والے تھے حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے عہد حکومت میں اپنے ملک ایران کو خیرآباد کہہ کر ہندوستان تشریف لے آئے۔ حضرت بادشاہ اورنگ زیب نے ان کی خاطر خواہ عزت افزائی کی خلعت و جاگیر سے نوازا اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا یہ بات آپ کے خاندان کے معزز ہونے پر شاہد عدل ہے۔

تعلیمی پس منظر

جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو آپ کے والد محترم حضرت العلام مولانا سید محمد معین الدین نزہت مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے حافظ و قاری انعام اللہ صاحب کے پاس حفظ قرآن کے لئے بٹھا دیا آپ نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی، عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں خود آپ کے والد محترم نے پڑھائیں اور متوسطات سے لے کر ملاحسن تک کی کتابیں حضرت شاہ فضل احمد علیہ الرحمۃ سے پڑھیں بعدہٗ آپ کے والد محترم نے حضور گل محمد علیہ الرحمۃ

کی بارگاہ میں آپ کو چھوڑ دیا آپ نے وہاں رہ کر علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کا حصول بھی کیا ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو بیس سال کی عمر میں آپ کی تعلیم مکمل ہوگئی تو آپ کو دستار فضیلت اور سند فراغت سے نوازا گیا۔ آپ کے والد محترم نے واقعۂ دستار فضیلت کی عکاسی اپنے اشعار میں اس طرح کی ہے:-

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ فضیلت ۔۔۔ سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہتؔ یہ نعیم الدین کو کہہ کے سنا دے ۔۔۔ دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

رشتۂ ازدواج

۱۳۲۲ھ دستار فضیلت کے دوسال کے بعد آپ کے والدین نے آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک فرمادیا۔ رئیس اعظم مرادآباد کی صاحبزادی آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں جو نیک صورت ہونے کے ساتھ نیک سیرت بھی تھیں اور دینی ماحول میں آپ کی معین و مددگار بھی ثابت ہوئیں۔ اللہ نے آپ کو چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں لیکن آپ کے جانے کے بعد سے اب تک سوائے ایک بیٹی کے کل اولاد ہمیں داغ مفارقت دے گئی اور اب آپ کی اولاد کی اولاد آپ کے نسل کی آب پاشی فرما رہی ہے اللہ آپ کی نسل پاک میں برکتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

بیعت وخلافت

یوں تو آپ نے حضو اعلیٰ حضرت، شاہ جی محمد شیر میاں اور سید شاہ علی حسین اشرفی علیہم الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ سے بھی خوب خوب فیوض و برکات حاصل کئے لیکن بیعت آپ نے حضور محمد گل علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر کی اور انہوں نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا علاوہ ازیں حضور اعلیٰ حضرت اور سید شاہ علی حسین اشرفی علیہم الرحمۃ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

احقاق حق وابطال باطل

آپ کی مکمل حیات احقاق حق وابطال باطل میں صرف ہوئی خدمت دین کے معاملہ میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا۔علمی وتبلیغی سرگرمیوں میں آپ ہمہ تن مصروف رہے۔اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کے سدباب اور دین حنیف کے عروج وارتقاء کے لئے آپ نے تن من دھن کی بازی لگا دی جان کی پرواہ کئے بغیر آپ نے **الحق یعلوا ولایعلیٰ** کے پیش نظر حق کی آواز بلند فرمائی،اور بحمد اللہ کامیابیاں آپ کے قدم کی زینت بنتی چلی گئیں۔دین کے معاملہ میں آپ کی بلند خیالی اور بلند پروازی سے باطل کے شیش محل میں دراریں پڑ گئیں اور باطل کے ماتھے پہ پسینہ آگیا اور اہل باطل نے آپ کی اس پرواز کو روکنے کے لئے کفر تعصب،عناد،حسد کی قینچیوں کا استعمال کیا لیکن آپ کے بلند حوصلوں کو بے شمار سلام جن کی وجہ سے باطل کی قینچیاں آپ کی بلند پروازی پر اثر انداز نہ ہو سکیں اور آپ عروج وارتقاء کی سیڑھیوں پر یہ کہتے ہوئے چڑھتے گئے:

کبھی مہک کی طرح ہم گلوں سے اُڑتے ہیں
کبھی دھویں کی طرح پربتوں سے اُڑتے ہیں
یہ قینچیاں ہمیں اُڑنے سے خاک روکیں گی
کہ ہم پروں سے نہیں حوصلوں سے اُڑتے ہیں

شدھی تحریک،تحریک ترک موالات،تحریک ہندو مسلم اتحاد اور تحریک خلافت کے خلاف آپ نے جو کلیدی کردار ادا کیا دانشوران قوم وملت اسے ہرگز ہرگز فراموش نہیں کر سکتے دیگر تحریکات سے قطع نظر تحریک خلافت میں جو کردار آپ نے ادا کیا اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے واقعہ کچھ اس طرح ہے۔"تحریک خلافت کے خلاف جب آپ محاذ آرا ہوئے اور اس سے مسلک حضرات جیسے علماء دیوبند وغیرہم کے خلاف آپ نے آوازحق

بلند کی تو باطل پرست ملاؤں اور مطلب پرست مسلمانوں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری انھوں نے آپ کے خلاف محاذ قائم کیا اور آپ کے خلاف عوام کو مشتعل کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کمیٹی کے ہی ایک جلسہ میں کسی شر پسند مولوی کی صدرالافاضل کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کے دوران مجمع سے ایک پہلوان نے اٹھ کر بر سر عام صدرالافاضل کے خلافت بکواس شروع کر دی اور مجمع کو ننگی تلوار دکھا کر اور صدرالافاضل کا نام لے کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں اسی تلوار سے انہیں قتل کر دوں گا۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، ان ہوائی فائروں سے حضور صدرالافاضل کا کیا بگڑتا انہیں تو اللہ کی غیبی مدد حاصل تھی ۔آپ کے والد محترم نے مذکورہ بالا واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے درج ذیل قطعہ رقم فرمایا

یاالٰہی بے خطا بے جرم ہے میرا پسر
دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر
تو برائے احمد مختار و بو بکر و عمر
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

الحاصل اسی حق وگوئی بیبا کی کا ہی ثمرہ ونتیجہ تھا کہ آپ اپنے ہر مشن میں کامیاب ہوتے چلے گئے ۔نیز ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگانے والوں میں جو لوگ پیش پیش تھے جیسے ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہم آپ کی حق گوئی کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صلح جوئی

صلح جوئی آپ کا وطیرۂ خاص تھا دو مسلمانوں کے درمیان آپسی انتشار کو دور کرنا آپ کی عادت میں شامل تھا اور بلا مبالغہ ہمیں ،، ک ـ اسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس ـ صف کی حامل ہو،

سوائے آپ کے۔ آپ کے ہمعصر علماء میں یا آپ کے بعد اس وصف میں آپ کا کوئی شریک نہیں ملتا ہے۔ حضرت العلام مولانا شاہ عبدالحامد قادری بدایونی علیہ الرحمۃ صدر جمعیۃ العلماء پاکستان کی درج ذیل تحریر اس بات کی صاف غمازی کر رہی ہے آپ فرماتے ہیں:

''حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ہندوستان کے طبقہ اہلسنت اور اس کے علماء و مشائخ کے تنظیم و اتحاد کی علم بردار تھی ان (صدرالافاضل علیہ الرحمۃ) کا عرصہ سے خیال تھا کہ جس طرح ہو سکے حضرات علماء اہلسنت اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کریں ان کا ایک متحدہ و متفقہ پلیٹ فارم ہو............الخ''

نیز درج ذیل واقعہ بھی اس بات کی عکاسی کر رہا ہے،

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی علیہ رحمۃ الغنی سے چند کلمات خلاف شرع نکل گئے یہاں تک کہ آپ کہہ گئے :

''عمرے بآیات واحادیث گزشت رفتی و نثار بت پرستے کردی''

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نہایت ہی عالمانہ طرز پر افہام و تفہیم کے لئے خط و کتابت کا سلسلہ شروع فرمایا، لیکن حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مکاتیب اعلیٰ حضرت سے صرف نظر کر لیا بالآخر اعلیٰ حضرت نے مولانا کے رد میں دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ''**الطاری الداری لهفوات عبد الباری**'' تحریر فرمائی۔ جب یہ کتاب مولانا عبدالباری علیہ الرحمۃ کے پاس پہنچی، انھوں نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے پہل فرماتے ہوئے اپنے بڑے صاحبزادے حضور حجۃ الاسلام حامد رضا خاں، حضور صدرالشریعۃ مولانا امجد علی علیہما الرحمۃ کو حضور صدرالافاضل کی معیت میں مولانا عبدالباری کے پاس بھیجا ادھر مولانا عبدالباری کو خبر ہوئی کہ یہ حضرات تشریف لا رہے ہیں تو آپ اپنے معتقدین کے ساتھ استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچ گئے۔ جب گاڑی آئی

اورصدرالافاضل وغیرہ ٹرین سے باہر آئے تو مولانا عبدالباری نے سب سے پہلے حضور حجۃ الاسلام سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن حضور حجۃ الاسلام نے مولانا پرشرعی مواخذہ کی وجہ سے ہاتھ ملانے سے انکار کردیا، اس بات پر مولانا عبدالباری اور آپ کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کے چہرے پژمردہ ہوگئے اور وہ واپس جانے لگے تو ایسے نازک وقت میں حضور صدرالافاضل نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مولانا عبدالباری سے اس انداز میں گفتگو کی کہ مولانا عبدالباری اصل مسئلہ پر بات کرنے کے لئے تیار ہوگئے کچھ دیر افہام وتفہیم کا سلسلہ جاری رہا آخرکار مولانا عبدالباری علیہ رحمۃ الباری اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ نامہ تحریر فرمانے لگے اتنے میں ایک سیٹھ جو آپ کا معتقد تھا کہنے لگا حضرت یہ چیک بک ہے جتنے روپے چاہو لے لو لیکن توبہ نامہ تحریر مت کرو۔ آپ نے فرمایا اس چیک بک سے میرا ایمان خریدنا چاہتا ہے، بھاگ جا میرے سامنے سے۔ آپ نے توبہ نامہ تحریر فرما کر حضور صدرالافاضل کے سپرد کردیا آپ نے فرمایا حضرت یہ توبہ نامہ صرف ہم لوگوں تک ہی محدود رہے گا اسے پریس میں نہیں دیا جائے گا تو مولانا عبدالباری نے اللہ حشر تک آپ کے مرقد پر گوہر افشانی فرمائے برجستہ فرمایا حضرت میں جب خدا کی بارگاہ میں تائب ہو رہا ہوں تو مجھے دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ تینوں حضرات وہاں سے رخصت ہوکر حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پہنچے سارے حالات کو بیان کیا اور وہ توبہ نامہ حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پیش کردیا توبہ نامہ ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ "**کتاب الطاری الداری لھفوات عبد الباری**" کو نذر آتش کردیا جائے آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس طرح دو اہل علم حضرات کے درمیان مصالحت ہوگئی بالیقین یہ حضور صدرالافاضل کی جدوجہد، حکمت عملی، خوش اسلوبی اور جذبہ اتحاد و یگانگت کا ہی ثمرہ و نتیجہ تھا ورنہ یہ انتشار آگے چل کر مسلمانوں کے لئے کسی زہر ہلاہل سے کم نہیں ہوتا۔

خطابت پر فصاحت

دروواں پر جو پڑھ کر بولتے ہیں   وہ ہر پہلو سے بہتر بولتے ہیں

آپ میدان خطابت کے بہترین شہسوار تھے۔ پیشہ ور خطیب ومقرر نہ تھے کہ چند تقاریر رٹ لیں اور پوری زندگی انہیں کو ہر محفل میں دوہراتے رہے۔ آپ کی تقریر قرآن واحادیث اقوال فقہاء وفرامین اولیاء کی آئینہ دار، فصاحت وبلاغت، متانت وسنجیدگی سے لبریز اخلاص اور علم وحکمت کا سرچشمہ ہوا کرتی تھی۔ آپ مافی الضمیر کو عوام وخواص کے قلوب میں اتارنے کا ہنر جانتے تھے نباض ایسے کہ وہی بیان کرتے جسے عوام وخواص سب پسند کرتے درج ذیل واقعہ آپ کے زور خطابت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت کو دھولپور میں تقریر کے لئے مدعو کیا گیا آپ نے وہاں اپنی پہلی تقریر سے آزاد طبقہ کو مسخر فرمالیا نیز مخالف جماعت کے لوگ بھی آپ کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے روز کافی تعداد میں شریک جلسہ ہوئے منتظمین جلسہ کو شبہہ ہوا کہ یہ لوگ فساد کے لئے آئے ہیں اس لئے یہ لوگ بھی مستعد وہوشیار ہو گئے۔ جب حضور صدر الافاضل کا خطاب فیضیاب اختتام پذیر ہوا تو آپ نے اعلان کیا کہ میری کسی بات پر اگر کسی کو شبہہ ہو تو بلا خوف وخطر مجھ سے ابھی بیان کردے کیوں کہ صبح مجھ کو واپس جانا ہے اتنا سن کر مخالف جماعت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض گزار ہوئی حضور آپ کے آنے سے قبل شبہات تو بہت تھے لیکن حضور اب ہمارے تمام شبہات آپ کی تقریر کے ذریعہ رفع ہو گئے ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اور اب آپ ہماری کل کی دعوت کو قبول فرمایئے اور آپ نے آج تقلید کے عنوان پر جو تقریر فرمائی ہے کل بھی اسی عنوان پر تقریر فرمائیں تا کہ ہمارے علاقہ کے غیر مقلدین کی آنکھیں کھل جائیں اور گمگشتہ راہ عوام وخواص راہ راست پر آجائیں آپ نے فرمایا کہ کل مجھے میرٹھ جانا ہے

کیوں کہ میں نے وہاں جانے کا وعدہ کرلیا ہے اور الکریم اذا وعد وفا کے پیش نظر میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے ہاں البتہ میرٹھ کے اجلاس سے فراغت کے بعد میں یہاں آنے کا وعدہ کرتا ہوں آپ میرٹھ تشریف لے گئے جب آپ وہاں سے فارغ ہو گئے تو پھر دھولپور جلوہ بار ہوئے اس بار اہل دھولپور نے آپ کا جلوس کی شکل میں شاندار استقبال کیا حضرت جلسہ گاہ تشریف لے گئے رانا دھولپور اوران کے ماموں بھی آپ کی شہرت سن کر جلسہ گاہ میں آئے ان کے لئے علیحدہ گدی لگائی گئی لیکن انہوں نے حضرت کی عقیدت میں گدی ہٹادی اور عوام کے ساتھ بیٹھ کر تقریر سماعت کی آپ کی یہ تقریر بھی فصاحت وبلاغت سے پر، قرآن واحادیث کے پیرائے میں، اور متانت وسنجیدگی سے لبریز تھی جسے سن کر اپنے ہی نہیں بیگانے بھی اعتراف حق کرنے پر مجبور ہو گئے۔

یہی نہیں آپ کی تقریر منیر کی تعریف کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں:

> ''ہمارا وفد جامع مسجد آگرہ پہنچا مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مجمع تھا نماز جمعہ کے بعد ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا محترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان وشوکت پر اور موجودہ حالات پر دل گداز تقریر فرمائی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہئ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل جوش سے لہریں مار رہے تھے اس موقع پر مولانا نے داڑھیاں منڈوانے اور کبائر میں ملوث ہونے سے عوام کو توبہ کروائی مسجد کا وسیع صحن توبہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔''

نیز مفتی مولانا محمد احمد صاحب قبلہ سابق امام شاہی مسجد فتح پوری دہلی فرماتے تھے کہ

> ''جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مسجد فتح پوری میں ایک عظیم

پیمانے پر جلسہ ہوتا علماء کو مدعو کیا جاتا اکابر علماء جلسہ گاہ میں تاخیر سے پہنچتے لیکن حضور صدر الافاضل اور محدث اعظم محفل میں پہلے ہی آجاتے اور جلسہ کے اختتام کے بعد ہی اسٹیج سے اترتے آپ کا خطاب بالکل آخر میں ہوتا جس وقت آپ ممبر خطابت پر جلوہ فرما ہوتے سامعین سننے کے لئے بیتاب نظر آتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا یہ جی چاہتا کہ حضرت کا بیان جاری رہے اور محفل پاک اسی طرح سجی رہے۔"

اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے مزید فرماتے کہ:

"یہ ان کی عالمانہ شان تھی کہ ہر میدان اور ہر جلسہ میں وہ ہی نظر آتے تھے۔ آپ کے زور خطابت پر یہ وہ شواہد ہیں جن سے آپ کی سحر بیانی اور اسلوب بیان اور زور خطابت کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔ اس کا انکار نہیں کرے گا مگر تاریخ سے ناواقف کار، جاہل اور متعصب۔"

زورِ قلم

آپ کا قلم کلک رضا کا عکاس تھا کلک رضا کی شان آپ کے قلم سے نمایاں تھی آپ کے نوک قلم سے نکلے ہوئے کواکب و درر سے ایک عالم فیضیاب ہوا اور آج بھی تشنگان علوم نبویہ اکتساب فیض کر رہے ہیں اگر آپ کو قلم کا تاجور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ گونا گوں مصروفیات کے باوجود بھی آپ نے فقید المثال تصانیف کا سرمایہ ملت کو عطا کیا۔ آپ کی تحریر کا محور ہمیشہ احقاق حق وابطال باطل رہا۔ نام ونمود، شہرت و پذیرائی، جاہ و دولت کے لئے کبھی آپ نے نہ لکھا نہ کوئی اور کام کیا آپ کی تحریر کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ جیسی عظیم شخصیت کی بارگاہ سے مقبول و مستند ہونے کا شرف حاصل تھا۔

آپ نے اپنی عمر کے بیسویں سال علم غیب نبی پر ایک معرکۃ الآرا کتاب "الکلمۃ العلیاء" تصنیف فرمائی جب وہ کتاب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پیش ہوئی تو آپ نے

اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا:

"ماشاء اللہ بڑی عمدہ نفیس کتاب ہے یہ نوعمری اور اتنے احسن دلائل کے ساتھ اتنی بلند کتاب ان کے ہونہار ہونے پر دال ہے"

آپ کے قلم پر علماء خصوصا اعلیٰ حضرت کو مکمل اعتماد تھا یہی وجہ تھی کہ جب ترجمہ کنزالایمان کی تصحیح کا معاملہ درپیش ہوا تو اعلیٰ حضرت کی نظر انتخاب آپ کی ذات بابرکات پر مرکوز ہوئی آپ نے ترجمہ کی تصحیح وطباعت کی ذمہ داری صدرالافاضل کو سونپ دی آپ نے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ ترجمہ کنزالایمان کی تصحیح کی اور طباعت وغیرہ دیگر مراحل کو بخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ایک مقدمہ کے دوران اعلیٰ حضرت نے دو کتابیں تحریر فرمائیں ابھی اس کا مسودہ تھا جب صدرالافاضل کو آپ نے دکھائیں تو آپ نے دوتہائی سے زیادہ کتاب کو قلم زد فرمادیا اعلیٰ حضرت نے آپ کی اس طرح قلم زدنی پر کسی ردعمل کا اظہار کئے بغیر یہ کہتے ہوئے من وعن اسے قبول کرلیا کہ آپ نے اس کتاب کی تمام شدتیں ختم کردیں۔

اسی طرح جب اعلیٰ حضرت نے کتاب "الطاری الداری لہفوات عبدالباری" کا مسودہ آپ کو نظر ثانی کے لئے دیا تو آپ نے اس کا بغور مطالعہ فرمایا کہیں کہیں آپ نے ترمیم مناسب سمجھی اعلیٰ حضرت سے عرض کیا حضور اعلیٰ حضرت نے ترمیم کی اجازت مرحمت فرمائی پھر آپ نے جہاں مناسب سمجھا ترمیم فرمائی۔

آپ نے بے شمار مقالات ومضامین تحریر فرمائے اور گراں قدر تصانیف چھوڑیں جو آپ کے قلم کا بہترین شاہکار ہیں آپ کی تصانیف میں تفسیر خزائن العرفان، الکلمۃ العلیاء، اسواط العذاب، اطیب البیان، موالات، التحقیقات، زادالحرمین، کتاب العقائد، فتاوی صدرالافاضل، سوانح کربلا، سیرت صحابہ، گلبن غریب نواز، فیضان رحمت، کشف الحجاب عن مسائل

ایصال ثواب، آداب الاخیار، فرائد النور علی جرائد القبور، شہت نعیمی وغیرہم جیسی عظیم علمی کتابیں ارباب علم ودانش صاحبان فکر ونظر سے داد وصول کر رہی ہیں، ان کتابوں کے ذریعہ آپ کی علمی صلاحیت ولیاقت آشکار ہوتی ہے ،اور یہ کتابیں آپ کے ایک عظیم مفسر، بالغ نظر محدث اور بہترین فقیہ ہونے پر سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بقول شاعر۔

جسم تو خاک ہے اور خاک میں مل جائے گا
ہم بہر حال کتابوں میں ملیں گے تم کو

حضور صدر الافاضل بظاہر ہماری نگاہوں سے روپوش ہیں لیکن اپنی تصانیف کے ذریعہ وہ آج بھی زندہ وجاوید ہیں۔

زبان دانی

آپ کو اپنی مادری زبان اردو پر تو مکمل دسترس حاصل تھی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے اردو الفاظ اس طرح مقفی ومسجع ہوتے کہ ارباب ذوق ذمہ داران اردو شعراء حضرات آپ کے اسلوب زبان کی تعریف کرتے اور آپ کے زبان زد الفاظ کو اپنی محفل کا موضوع سخن بناتے جس کی ایک مثال مبارک پور کا وہ جلسہ ہے جس میں آپ سیرت پاک پر بیان فرما رہے تھے دوران خطاب آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ جملہ بڑی روانی کے عالم میں منھ سے نکلا

''پتھر میں جان ڈال دی گویا بنا دیا''

آپ کے اس جملہ پر ارباب علم وادب شعراء مبارک پور نے ایک مشاعرہ کر ڈالا اور اس کا مصرع طرح اسی جملہ کو بنایا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی اردو زبان دانی کے تعلق سے بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی دام ظلہ النورانی کا یہ قول بھی امتیازی وتاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ:

''اگر ابوالکلام آپ کی اردو سن لیتا تو اپنی زبان دانی بھول جاتا''۔

علاوہ ازیں جس طرح اردو بولتے تھے اس سے کہیں زیادہ آپ کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ہمیں آپ کے اس واقعہ سے ملتا ہے کہ:

بھاگلپور بہار میں ایک مناظرہ کے دوران وہابی مولوی نے آپ سے کہا کہ میں عربی میں مناظرہ کروں گا آپ نے برملا ارشاد فرمایا کہ میری بھی ایک شرط ہے وہ یہ کہ عربی منظوم بغیر نقطہ ہو یعنی نظم میں ہو اور اس کے کسی بھی لفظ میں نقطہ نہ آئے۔ وہ آپ کی اس بات سے اتنا خوف زدہ ہوا کہ سوائے فریفرارا کے اسے اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ مناظرہ کے بعد سرکار کلاں نے آپ سے عرض کیا حضور اگر وہ وہابی تیار ہو جاتا تو آپ عربی منظوم غیر منقوط کیسے بولتے ہم آپ کے اس بے مثال ہنر کی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ نے برجستہ فی البدیہ بہت سے عربی اشعار سرکار کلاں کے گوش گزار فرمائے جو منظوم اور غیر منقوط ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع مناظرہ کے مطابق تھے۔

فقید المثال مناظر

فن مناظرہ میں بھی اللہ نے آپ کو امتیازی شان عطا فرمائی تھی، آپ مناظرہ کرنے میں مکمل ماہر تھے۔ جب بھی کوئی مناظرہ درپیش ہوتا تو علماء خصوصاً حضور اعلیٰ حضرت آپ کو بلواتے اور آپ کو مناظر کی حیثیت سے مناظرہ گاہ میں بھیجتے، جانب مخالف کو چٹکیوں میں شکست دینا کوئی آپ سے سیکھے، دیابنہ وغیرہ فرقہائے باطلہ اور ہندوؤں سے آپ نے مناظرے فرمائے لیکن کبھی بھی آپ کو شکست نہیں ہوئی اللہ نے آپ کے اندر بے نظیر و بے مثال مناظرانہ صلاحیت ودیعت فرمائی تھی آپ ذرا سی دیر میں مناظرہ سر کرلیا کرتے تھے۔ آپ نے بے شمار مناظرہ فرمائے ہیں لیکن بخوف طوالت مضمون ہم یہاں صرف بطور نمونہ ایک مناظرہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

دہلی کا ایک آریہ جس کا نام رام چندر تھا بہت خوش آواز تھا غیر مقلدین نے اس کو قرآن مقدس کی چند سورتیں یاد کرادیں تھیں جو وہ ہر جگہ سناتا اور مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتا۔ بریلی میں اس نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج کیا لوگ حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پہنچے اور آپ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا کہ حضور کسی عالم کو مناظرہ کے لئے منتخب فرمادیں آپ نے فرمایا کہ ابھی تار کے ذریعہ مولانا نعیم الدین صاحب کو اطلاع دی جائے رات تک تشریف لے آئیں گے اور صبح کو مناظرہ شروع ہو جائے گا۔ حکم کی تعمیل کی گئی تار حضور صدرالافاضل کے پاس روانہ کردیا گیا اور صبح کے وقت مناظرہ ہونے کا اعلان کردیا گیا آپ کے پاس تار کچھ تاخیر سے پہنچا حضور حجۃ الاسلام نے آپ کا انتظار کیا لیکن آپ جب وقت مقررہ پر نہ پہنچ پائے تو حضور حجۃ الاسلام نے مولانا ظہور الحسن رامپوری کو مناظر کو مقرر فرمایا اور مناظرہ شروع ہو گیا روح اور مادہ کے تعلق سے گفتگو ہونے لگی، ادھر حضور صدرالافاضل بھی تشریف لے آئے اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر ہر دو مناظر کی گفتگو کو سماعت کیا آپ نے محسوس کیا کہ یہ مناظرہ خالص علمی طرز پر ہو رہا ہے جس سے عوام کو کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ نے حجۃ الاسلام سے فرمایا کہ اگر میں گفتگو شروع کرتا ہوں تو آریہ اور دیگر ہندو کہیں گے کہ تمہارے پہلے مولوی صاحب ہار گئے اس لئے دوسرے مولوی کو کھڑا کیا ہے لہٰذا آپ صدر ہیں اعلان کردیں کہ گیارہ بج گئے ہیں گرمی بہت ہے اس لئے بقیہ بحث رات کو ہوگی، جیسے ہی حضور حجۃ الاسلام نے اعلان فرمایا آپ کھڑے ہو گئے اور عوام کو مخاطب فرمایا کہ ذرا دیر کے لئے آپ سبھی ٹھہر جائیں تاکہ میں یہ بتادوں کہ اب تک کے مناظرہ کا نچوڑ کیا نکلا، سبھی خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے آپ نے فرمایا پنڈت جی یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی و حیوانی ایک ہے کیوں پنڈت یہی تو ہے آپ کا مدعا؟ پنڈت نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں روح

انسانی وحیوانی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔آپ نے مجمع سے کہا کہ آپ سمجھے تو آوازیں آئیں نہیں۔تب آپ نے فرمایا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ انسان اور گدھے میں روحانی کچھ فرق نہیں ہے بلکہ گدھا اور آدمی ایک ہیں صرف صورت کا فرق ہے، جیسا کہ انہوں نے ابھی اس بات کا اقرار بھی کیا ہے، آپ کے اس انداز بیان سے مشکل بات بآسانی لوگوں کے ذہن میں بیٹھ گئی اور لوگ قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔اور کہنے لگے واقعی پنڈت جی اور گدھے میں کوئی فرق نہیں ہے صرف صورت کا فرق ہے۔آپ نے دومنٹ میں سارا مناظرہ ختم کردیا اور پنڈت کو بھاگنے پر مجبور کردیا یہ تھی مناظرہ میں آپ کی شان جو آپ کو سب سے ممتاز کردیتی ہے۔

شاعر بے بدل

حضور صدرالافاضل عالم، مفتی، مفسر، مصنف، مناظر ہونے کے ساتھ ایک بہترین قادرالکلام شاعر بھی تھے آپ کی شاعری میں کمال کی جدت لب ولہجہ میں شائستگی بے حد دلکشی اور جاذبیت پائی جاتی ہے آپ نے اردو کے علاوہ عربی فارسی میں بھی اشعار کہیں ہیں جو آپ کی دیگر زبانوں پر ماہر ہونے کی غمازی کرتے ہیں آپ کی شاعری میں حسان الہند حضور اعلیٰ حضرت کی شاعری کا عکس نظر آتا ہے مثلاً حضور اعلیٰ حضرت کی یہ رباعی

محصور جہاندانی و عالی میں ہے — کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال — بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

اور صدرالافاضل فرماتے ہیں:

ہنر ہی سے جہاں میں آدمی کی قدر ہوتی ہے
نعیم بے ہنر مشہور تیری بے کمالی ہے

آپ نے حمد ونعت ومنقبت کے علاوہ صنف غزل میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے

اس سے قطع نظر کہ آپ کی شاعری کسی ضخیم دیوان پر مشتمل نہیں ہے لیکن جتنی ہے لاجواب ہے اور اپنے اندر کشش و جاذبیت لئے ہوئے ہے، چند جھلکیاں ہدیہ قارئین ہین:

سب کا پیدا کرنے والا میرا مولیٰ میرا مولیٰ
سب سے افضل سب سے اعلیٰ میرا مولیٰ میرا مولیٰ
طاعت سجدہ اس کا حق ہے اس کو پوجو وہ ہی رب ہے
اللہ اللہ اللہ میرا مولیٰ میرا مولیٰ
اول آخر غائب حاضر اس کو روشن اس پہ ظاہر
عالم دانا واقف کل کا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

حمد کے مذکورہ بالا اشعار عام فہم ہونے کے باوجود معنویت سے لبریز ہیں۔ صنف نعت میں آپ کا قلم کچھ اس طرح سجدہ ریز ہے:

شفیع روز محشر اے شہنشاہ زماں تم ہو
مقیم عرش اعلیٰ ہو مکین لا مکاں تم ہو
کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو تمہارا نام لینے سے
محمد مصطفیٰ تم ہو حبیب دو جہاں تم ہو

دین حنیف کے فروغ اور باطل کے سد باب اور مسلمانوں کی بحالی کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ کا انداز کچھ یوں ہے:

اے خاتم پیغمبراں اے سرور ہر دو جہاں
اے مالک کون و مکاں رحمے بحال عاصیاں
اے رحمت عالم مدد اے سید اکرم مدد
اے دافع ہر غم مدد امداد اے شاہجہاں

اب کیجئے ایسا کرم ہو دین کا اونچا علم
کفار کی گردن ہو خم ان کا مٹے نام و نشاں
اسلام کی لیجئے خبر اور کفر کو پہنچے ضرر
کفار ہوں زیر و زبر سب بھول جائیں مستیاں
مسلم کو پھر شوکت ملے اسلام کو قوت ملے
بدخواہ کو ذلت ملے اے دین حق کے پاسباں
مسلم ہوں باہم متحد بھائی کا بھائی ہو ممد
مٹ جائے سب آپس کی ضد رشک وحسد سے ہو اماں

نیز صنف منقبت میں بھی آپ کا قلم جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے درج ذیل اشعار جس کی شہادت دے رہے ہیں:

عابد کبریا امام حسین — زاہد بے ریا امام حسین
قرۃ العین حضرت حیدر — سید اولیاء امام حسین
کربلا کی زمیں پہ خون سے لکھا — تم نے نام وفا امام حسین
تیری تلوار کا جہاں میں ہے — آج تک غلغلہ امام حسین
ساری خلقت میں ہو گئے رسوا — تیرے اعداء شہا امام حسین
اس نعیم گناہگار پہ لطف — اے شہہ اصفیا امام حسین

سید شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں:

شد قبلۂ دلم چو بکعبہ طواف را — پرنور کرد از رخ روشن مطاف را
آوردہ ایم کاسئہ سر را بخدمتش — زاں آرزو کہ بشکند آں مہ صحاف را
اے دستگیر دست نعیم حزیں بگیر — آنجا کہ حزن نیست مر اہل عفاف را

حضور اعلیٰ حضرت کی شان رفیع میں صنعت مقلوب مستوی میں آپ کا یہ عربی شعر حضور اعلیٰ حضرت سے آپ کی وابستگی کا بھی پتہ دیتا ہے ساتھ ہی آپ کی عربی ادب پر فوقیت ومہارت کا بھی صحیح طور پر انکشاف کرتا ہے:

اضر ومح احمدرضا اعلام کفر　　　فکمالعااضرمح احمدرضا

اب آخر میں غزل میں آپ کی قلمی رعنائیاں ملاحظہ ہوں:

سبزہ ہو فصل گل ہو لب جوئے یار ہو
وہ مہر مہر سے شب مہ ہمکنار ہو
میں ہوں وہ گل ہو غیر کا نام ونشاں نہ ہو
پھر دیکھئے بہار کی کیسی بہار ہو

دوسری جگہ فرماتے ہیں

قتیل خنجر بیداد ہوں میں
فدائے ناوک صیاد ہوں میں
مجھی سے ہے جہاں میں نام الفت
حدیث عشق کی اسناد ہوں میں
مصائب کے پہاڑوں کا نہیں خوف
کہ اپنے وقت کا فرہاد ہوں میں
گل ونسریں پہ دل مائل نہیں ہے
فدائے قامت شمشاد ہوں میں
نعیم بے خطا پر یہ جفائیں
غنیمت ہے کہ ان کو یاد ہوں میں

جی میں آتا ہے کہ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے ہر شعر کے ہر حرف پر طبع آزمائی کی جائے اور اس پر مکمل طور پر لکھا جائے اور محظوظ ہوا جائے لیکن مضمون کی طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔

تاجدار ولایت

آپ کو اللہ تعالی نے نعمت ولایت سے بھی نوازا تھا آپ بحر طریقت کے ماہر غواص تھے آپ کی ولایت کے ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ شریعت کے پاسدار تھے کوئی قدم شریعت مصطفیٰ سے ہٹ کر آپ نے نہیں اٹھایا اور یہی معیار ولایت ہے۔حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''الولی ھو الصابر تحت الامر والنھی''

یعنی ولی وہ ہے جو اللہ کے امر و نہی کے تحت صبر کرے۔

رہا معاملہ کرامت کا تو شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزارنا سب سے بڑی کرامت ہے۔حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کرامۃالولی استقامۃ فعلہ علی قانون قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم''

یعنی ایک ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کی زندگی شریعت کے مطابق گزرے۔

حضور صدر الافاضل نے پوری زندگی شریعت پر عمل کرتے ہوئے گزاری یہ آپ کی سب سے بڑی کرامت ہے اس کے علاوہ ظاہری طور پر بے شمار کرامات کا ظہور ہوا یہاں ان سب کو بیان کرنا ایک امر مشکل ہے صرف ایک کرامت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ نے ابتدائی تعلیم جامعہ نعیمہ میں حاصل کی ۔کبھی کبھی حضور صدر الافاضل حضور حافظ ملت سے فرماتے کہ عبدالعزیز!تم سے ایک بڑا کام لیا جائے گا آپ اس کو نہیں سمجھ پاتے لیکن جب جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا تو

آپ سمجھے کہ صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے فرمان کا یہ مطلب ہے آپ نے خود ایک مرتبہ عرس صدرالافاضل میں حاضر ہو کر آپ کی اس کرامت کو اس طرح بیان کیا کہ:

"کہ حضرت کی پیشنگوئی کے موقعۂ بہجت وسرور کا منتظراب تک رہا لیکن جس طمطراق سے حضرت پیشن گوئی فرماتے تھے اس طرح کے مظاہر میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے سوچتا تھا بہت بڑا کام ہے اگر مراد صدر مدرسی ہے تو بہت اچھے اچھے صدر مدرس ہندوستان میں موجود ہیں میری ہی کیا خصوصیت! ....

مسلمانو! آج جب کہ عبدالعزیز الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھ کے آیا ہے تو اس یقین کے ساتھ آیا ہے کہ حضور صدرالافاضل کی پیشنگوئی کا مظہر اور مشار علیہ یہی الجامعۃ الاشرفیہ ہے یہ حضرت صدرالافاضل رضی اللہ عنہ کی دور بینی کی کھلی ہوئی کرامت ہے جسے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے"۔

جامعہ نعیمہ عظیم یادگار

یوں تو آپ کی ان گنت یادگاریں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں لیکن جامعہ نعیمہ آپ کی ایسی یادگار ہے جس کو آپ نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے ۱۳۲۸ھ میں آپ نے ایک انجمن تشکیل دی پھر اس کے بعد اس انجمن کے تحت ایک مدرسہ بنام انجمن اہلسنت کی بناڈالی، چوبیس سال تک یہ مدرسہ اسی نام سے موسوم رہا لیکن ۱۳۵۲ھ میں اس کا نام آپ کی نسبت سے جامعہ نعیمیہ تجویز کیا گیا یہ مدرسہ آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔آپ کے عہد سے اب تک لاکھوں تشنگان علوم دینیہ نے اس مدرسہ سے سیرابی حاصل کی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اللہ اس سلسلہ کو تاقیام قیامت جاری رکھے اور اس عظیم دینی یادگار کو دوام عطا فرمائے (آمین)

مشاہیر تلامذہ

آپ کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والے اور آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ

کرنے والے اور آپ سے اکتساب علم کرنے والے تلامذہ کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے لیکن مشہور زمانہ تلامذہ جنہوں نے ہر چہار جانب اپنے مادر علمی جامعہ نعیمیہ کو روشناس کرانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور نعیمی فیضان بانٹنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا نیز نعیمی بننا اور بنانا باعث افتخار سمجھا، کے متبرک اسماء درج ذیل ہیں:

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ عبد العزیز حافظ ملت علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ حبیب الرحمٰن مجاہد ملت علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ غلام جیلانی بدایونی ثم میرٹھی علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی پاکستانی علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ قاضی شمس الدین جونپوری علیہ الرحمۃ

حضرت علامہ سید ابو الحسنات پاکستان علیہ الرحمۃ

اور ان کے علاوہ بھی سیکڑوں مشہور تلامذہ ہیں ہم نے یہاں اختصاراً چند کے نام بیان کئے ہیں۔

سانحہ ارتحال

آخر کار ۱۸/ ذی الحجۃ المکرمۃ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو رات ساڑھے بارہ بجے، علم کا وہ بحر ناپیدا کنار جس سے سبھی تشنگی بجھا رہے تھے وہ مہر منیر جو علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو کافور کر رہا تھا، علم کا وہ آفتاب عالمتاب جس کی علمی روشنی سے پوری دنیا فیضیاب ہو رہی تھی یہ کہتا ہوا ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گیا کہ

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مزار پرانوار

ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ میں مسجد کے بائیں جانب آپ کا مزار ہے جو آج بھی ہم پر فیض افشانی کر رہا ہے۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہرباری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

آپ کی سیرت کا یہ مختصر خاکہ ہے جسے پیش کرنے کا مقصد اپنوں کے قلوب کو تروتازگی روح کو بالیدگی بخشنا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتانا مقصد تھا جو ذات محاسن وفضائل کی جامع اور علمی بحر کا ایسا انمول صدف ہو جس نے ہمیشہ گہرافشانی کی ہو اور اس قدر مستند و معتبر ہو تو اس کے نوک قلم سے نکلے ہوئے رشحات علمیہ کے استناد واعتبار پر کیا شبہ رہ جاتا ہے یقیناً آپ کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی علم کا خزانہ ہے۔ اللہ ہمیں حصول کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

آخری بات

آخر میں میں یہ عرض کردوں کہ اتنی علمی وقیمتی کتاب کو مدت مدید کے بعد منظر عام پر لانے میں پیکر علم وعمل حضرت العلام مولانا محمد یامین صاحب مہتمم جامعہ نعیمہ مرادآباد، کی مساعی جمیلہ کارگر ہے۔ آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے قبل مجھ سے فرمایا کہ اس کتاب کو اگر تخریج وتحشیہ کی زینت بخش دی جائے تو کتاب میں چار چاند لگ جائیں گے۔ اور اس کام کے لئے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے، حالانکہ میں اس کا قطعی اہل نہیں تھا لیکن حکم کی تعمیل

مقصود تھی اس لئے اس کام کی ذمہ داری لے لی، اور اللہ و رسول کے فضل و کرم اساتذہ کی دعاؤں اور خصوصاً حضور صدر الافاضل کے فیضان کے سہارے اس کام کا آغاز کر دیا اور اس کام کو بہتر سے بہتر کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گیا اور بحمد اللہ مختصری مدت میں اس کام کو تکمیلی جامہ پہنا دیا میں نے اس کتاب کی تخریج و تحشیہ اور تصحیح میں حتی الامکان کوشش و محنت کی ہے پھر بھی الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کے پیش نظر اغلاط کا امکان ہے ارباب علم حضرات سے عرض ہے کہ بنظر اصلاح آگاہ فرمائیں!

میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے اس پرخار راہ میں میری مدد کی اور میرے لئے آسانیاں فراہم فرمائیں۔

اللہ ہمیں دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی عفی عنہ

خادم تدریس دار العلوم فیض نعیم

متصل لال مسجد پیپل سانہ مراد آباد

۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۲/اپریل ۲۰۰۹ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً ، فلیتقو اللہ ولیقو لو ا قولاً سدیدا

بعد حمد و صلوٰۃ فقیر مسکین ہیچمدان نعیم الدین (۱) ابن مولانا محمد معین الدین صاحب المرادآبادی بخدمت جمیع برادران دینی عرض پرداز ہے کہ اس زمانہ پر نفاق و شقاق و عناد و فساد میں کہ متبعین حق کو بعوض قرآن اور حدیث اور اقوالِ فقہا مفتی بہا کے بجز سخت گفتاری اور کوئی جواب نہیں ملتا ہے اور منکرین حق کی سخت کلامی اور توہین کے الفاظ اتباع سنت سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس خاکسار کی نظر سے ایک رسالہ خلافِ سنت مسمّٰی باتباع سنت (۲) گذرا کہ مصنف و مخترع نے اپنے زعم باطل میں بجواب لاجواب کتاب دُعائے برکت (۳) کہ مدلل بقرآن شریف واحادیث صحیحہ تالیف شدہ جناب فیض مآب استاذی قاطع بدعت محی سنت حضرت مخدومی عین العلماء، راس الفضلاء مولوی محمد گل خاں صاحب (۴) حاجی حرمین شریفین دام فیوضہم ہے لکھا تھا کہ اس کا نام میرے نزدیک محض افترا و اختراع نامہ ہوتا تو بہتر تھا، نہ اتباع سنت

---

(۱) آپ کی ولادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء شہر مرادآباد کے علمی گھرانے میں ہوئی اور وصال ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ مزار مبارک عظیم درسگاہ الجامعۃ النعیمیہ مرادآباد میں مسجد کے بائیں جانب ہے۔

(۲) نام اس طرح ہے ’’**اتباع السنۃ خیر للامۃ افاضۃ الخیرات فی کل احیان واوقات**‘‘ مصنفہ منشی شمس الدین ساکن محلہ کسرول مرادآباد مطبع شمس المطابع مرادآباد

(۳): پورا نام اس طرح ہے ’’دعاءِ برکت برطعام ضیافت دعاءِ اموات بوقت جمعرات‘‘، مطبع شمس المطابع مرادآباد۔

(۴): مولانا محمد گل علیہ الرحمۃ آپ کابل کے رہنے والے تھے ۱۸۴۲ء میں آپ کی ولادت پاک ہوئی، ابتدائی

اس لئے کہ اتباعِ سنت میں ایسے اُمور کو کیا دخل ہے۔ بعض برادرانِ دینی نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ اس کا جواب لکھو۔ اور اظہارِ حق کما ینبغی اور ابطالِ باطل کما حقہ کرو تو میں نے بھی یہ سوچا کہ: وگر بینم کہ نابینا و چاہ ست اگر خاموش بنشینم گناہ ست۔ (۵) لہٰذا جانبِ مخالف کی اس کتاب کے جواب کی طرف متوجہ ہوا جمیع اختراعات آیتہائے قرآنیہ و احادیث نبویہ اور اقوال مفتی بہائے فقہا اور قواعد اصولین سے رد اور اپنی کتاب سے مسائل ثابت کئے اور میری کتاب دیکھنے سے حق ناحق بخوبی معلوم ہوگا مشک آنست کہ خود ببوید نکہ عطار گوید (۶) اور سخت کلامی سے اگر جانبِ مخالف اس دفعہ بھی باز نہ رہا تو آئندہ جواب ترکی بہ ترکی خوب دیا جائے گا چونکہ یہ فیضان مجھ کو دُعائے برکتِ بزرگان سے ہوا ہے لہٰذا اس کا نام کہ دراصل مخزنِ روایات ہے "فیضانِ رحمت بعد از دُعائے برکت" رکھا گیا۔

اور نیز جانبِ مخالف کو یہ ضرور ہے کہ آئندہ جو کتاب لکھے ہر جگہ اپنے مدعا کے اختتام میں کتب معتبرہ کی سند دے اور ایک فہرست (۷) بقیہ کتب مستندہ جیسی میں نے تیار کی

تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی بعدہٗ آپ نے سرزمین ہند کے مشہور شہر مرادآباد کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا علامہ عبدالعزیز امروہوی اور علامہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی جیسے مشہور زمانہ شخصیات کی بارگاہ سے علم و ادب و فضل کا گراں مایہ سرمایہ حاصل کیا اور تا زندگی علمی و روحانی فیضان تقسیم فرماتے رہے ۶ مئی ۱۸۸۱ء کو حاجی امداد العلی صاحب سی ایس آئی ڈپٹی کلکٹر مرادآباد کے تعاون خاص سے مدرسہ عربیہ امدادیہ جو آجکل دیابنہ کے تحویل میں ہے، کا قیام عمل میں آیا اولاً آپ کو اس مدرسہ کا صدر مدرس منتخب کیا گیا بعدہٗ آپ ہی کو مہتمم بھی بنا دیا گیا مارچ ۱۹۱۲ء مطابق ربیع الاول ۱۳۳۰ء کو آپکا وصال ہوا آپ کا مزار پر انوار مرادآباد کی مشہور مسجد قلعہ والی میں ہے۔ (بحوالہ مضمون غیر مطبوع "حضرت مولانا محمد گل خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ" از قلم:۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین جنرل سکریٹری بزم حمد و نعت مرادآباد) آپ نے چند کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کا ذکر (ابتدائیہ) میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) :اگر میں دیکھوں کہ اندھا ہے اور کنواں ہے اور خاموش رہوں تو یہ گناہ ہے۔

(۶) :مشک وہ ہے کہ خود مہکے نہ یہ کہ عطار بتائے (کہ یہ مشک ہے)۔

(۷) :فہرست کتب نیز فہرست مضامین قدرے اضافے کے ساتھ آخر کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

ہے ویسی وہ بھی تیار کرے تا کہ ان پڑھ بیچارے مسلمانوں کو نہ بہکاوے۔

اور جانب مخالف کی کتاب میں جو میں نے دیکھا تو اُس میں یہ پایا کہ کچھ عربی الفاظ اور کچھ سخت کلامی ملا بنا کر اگر چہ اُن سے کچھ مطلب ثابت نہ ہو مگر مقصود اُس سے یہ ہے کہ عوام بے چارے کچھ عربی الفاظ اور کچھ سخت کلامی دیکھ کر خصوصاً کہ جب اُن سخت کلامیوں کے بعد لکھا جائے کہ بتاؤ بدعتی کون ہے؟ یہ خیال کریں کہ جواب تو دیا ورنہ ایسی سخت کلامی کیوں کی جاتی، مگر ہمارے سمجھنے کا نہیں ہے، علماء سمجھیں گے۔ اور درحقیقت وہ مضامین بے ربط وضبط علماء کا مضحکہ ہیں اور جاہلوں کو پھانسنے کا جال، اور جانب مخالف پر میں نے کوئی تہمت نہیں لگائی ہے بلکہ انھوں نے خود بھی یہ مضمون "کلمة التقوی" میں پر تحریر کیا ہے کہ

"سابق میں ہم نے جو نسخہ اتباع السنة بر دنسخہ دُعائے برکت مؤلفہ مولوی محمد گل خاں صاحب تحریر کیا تھا اُس کے چھپنے کے بعد بہت لوگ شاکی ہوئے کہ تم نے جواب تو لکھا مگر ہمارے کام کا نہیں ہے (بہت صحیح لکھا ہے) اور اس کا مطلب سمجھنا علماء کا کام ہے (اگر علماء کا مضحکہ لکھتے تو مناسب تھا) اگر مضامین اور عبارت اس کی سہل ہوتی تو ہم بھی اُس سے مستفیض ہوتے"

ابر گر آب زندگی بارد (۸) ہرگز از شاخ بید برنخوری
زمینِ شور سنبل برنیارد (۹) درو تخم عمل ضائع مگردان

(۸) بادل اگر آب حیات برسائے۔ تو ہرگز بید (ایک پہاڑی درخت جس میں پھل نہیں آتے) کی ٹہنی سے پھل نہیں کھائے گا تو۔

(۹) بنجر زمین سنبل (خوشبودار گھاس) نہیں اگائے گی۔ اس میں عمل کا بیج ضائع مت کر۔

مولانا صاحب علیہ الرحمۃ پر لگائی گئی تہمتوں کا ازالہ

جانب مخالف نے اتباع السنۃ کے صفحہ ۲ تک تو اپنی کتاب کا سبب تالیف بیان کیا ہے جس سے ہم کو کچھ تعلق نہیں اور صفحہ ۲ کے اخیر سے جناب مولانا مولوی محمد گل خاں صاحب مدظلہ پر تہمتِ بے علمی اس طرح بیان کی ہے کہ

"جناب مولوی صاحب نے جناب مولوی عبدالعزیز صاحب مرحوم امروہوی سے کچھ معقول کے رسالے شروع کئے اور مشکوٰۃ شریف نصف تک بھی نہ پڑھنے پائے تھے کہ امتحان سالانہ میں کسی مسئلہ معقول پر بعضے رؤساء شہر سے یعنی نواب مولوی شبیر علی خاں صاحب مرحوم اور اُن کے صاحب زادے جناب مولوی رضی الدین خاں صاحب مرحوم سے مولوی صاحب کی مخالفت ہوگئی ،اور وہ مدرسہ کے رکن تھے اور مولوی صاحب طالب علم ،اُن سے مخالفت کر کے مدرسہ میں نہ پڑھ سکے مجبوراً مدرسہ چھوڑا اور شہر میں دوسری جگہ پڑھنا اُن کا نہ ہو سکا اور تحصیل علم کو جواب دیا۔"

اقول اب دیکھو کہ جانب مخالف اپنے قول کا رد آپ لکھتا ہے اور آپ کیا لکھتا ہے بلکہ مولوی صاحب مدظلہ کی کرامت کہ اُس کے قلم کو پھیر کر تحصیل علم کو جواب دینے کے قول کے بعد یہ لکھاتی ہے کہ :

"جناب مولوی صاحب نے سیّد ابوالحسن صاحب کے یہاں معقول پڑھانے پر مدت تک نوکری کی اور جب اُن کے صاحب زادے مولوی سیّد حسن صاحب وکیل اکثر معقول پڑھ چکے تو مولوی صاحب نے یہ خیال کیا کہ اب یہاں سے بھی جواب ملے گا تو جناب ڈپٹی امداد علی صاحب کے یہاں ربط وضبط پیدا کیا"

اقول : جو شخص کہ جناب مولوی ابوالحسن صاحب کو جانتا ہے وہ آنجناب کے علم اور ذکاوت و متانت کا بھی اقرار کرتا ہے اور نیز اُن کے صاحب زادے جناب مولوی سیّد حسن صاحب کو جو آج کل سرآمد (۱۰) وکلاء اثر ہیں، اُن کی ذہانت اور فطانت اور علمیت پر سب کا اتفاق ہے اور بموجب قول مخالف جناب مولوی صاحب مدظلہ نے مدت تک علم معقول جو مشکل علم ہے پڑھایا۔ تو سخت تعجب یہ ہے کہ ان کو اتنی تشخیص نہ ہوئی کہ جناب مولوی صاحب مدظلہ کی بے علمی کو پہچانیں اور نہ مولوی سیّد حسن صاحب کو تحصیل علم تمام ہونے تک مولوی صاحب کی بے علمی ظاہر ہوئی۔ اور بتقدیر بے علمی جناب مولوی صاحب مدظلہ کے یقیناً اُن کو کشف و کرامت ہوگی کہ ایسے ذہین آدمی کی کتابیں ختم کرائیں، تہمت ہو تو ایسی بے پیوند کہ اپنے قول سے اپنا قول رد ہو۔

دوم یہ مضمون بھی بالکل غلط ہے کہ جناب نواب شبّیر علی خاں صاحب مرحوم اور اُن کے صاحب زادے صاحب کہ پشتہا پشت سے صاحبانِ سلطنت اور حکومت وارشاد علم رہے ہیں اور شہر مرادآباد میں مروّت اور رحم دلی میں مشہور ہیں تو بموجب ''الـولـد سـر لابیـہ'' (۱۱) کے ہرگز یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ ایک مسافر غریب الوطن پھر وہ بھی طالب علم کہ طالب علمی کے فضائل اور طالب علموں کی خوشنودی کی فضیلت حدیث میں بھی وارد ہے، اُن کی مخالفت کی وجہ سے مدرسہ چھوڑ کر تحصیل علم کو جواب دے، اور جناب نواب صاحب خلد آشیاں (۱۲) اُس کو راضی نہ کریں اور نیز سُننے میں آتا ہے کہ جناب مولوی رضی الدین خاں صاحب کی اکثر کتب درسیہ ختم ہوچکی تھیں بلکہ شفا اور اشارات افق المبین بھی پڑھی تھیں۔ بالفرض اگر جناب مولوی صاحب کو علم نہ ہوتا تو ایسے لائق و فائق ذہین آدمی کے ساتھ کیسے بحث کرتے اور اگر بالفرض مولوی صاحب بحث بھی کرتے تاہم نواب صاحب مرحوم کو ضرور

(۱۰) : سردار۔ (۱۱) : لڑکا اپنے باپ کا راز دار ہوتا ہے۔ (۱۲) : جنتی

تھا کہ ایسے بے علم آدمی کے ساتھ بحث نہیں کرتے اور اپنا جانب مخالف نہ گردانتے۔البتہ جناب مولوی صاحب سے بعد استفسار کے معلوم ہوا کہ اتنی بات صحیح ہے کہ مسئلہ معقول میں گفتگو پیش ہوگئی تھی ،مگر نواب صاحب مرحوم کے خلافِ مرضی نہ تھی بلکہ اُن کی مرضی کے موافق یہ بحث اور گفتگو مسئلہ معقول میں پیش ہوگئی تھی اس لئے کہ نواب صاحب مرحوم خود ذی علم اور مباحثہ علمی کا اُن کو ہمیشہ سے شوق تھا۔مگر یہ جانب مخالف طوفان باندھتا ہے کہ اُن کی مخالفت کے سبب سے حضرت مولانا (۱۳) نے مدرسہ چھوڑا ہے،خدا سے شرم کرو،زندوں ،مُردوں پر ایسے بہتان مت باندھواور جناب مولوی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ جناب نواب صاحب مرحوم محبت رسول اکرم میں فانی اور علم اخلاق وعلم تصوف سے بخوبی خبردار تھے، بظاہر امیر مگر باطن میں فقیر تھے،تو ایسے شخص کی نسبت مجھ ناچیز کی کیا حقیقت تھی کہ مخالفت کرتا اور اگر کرتا بھی تو وہ راضی کرتے۔اللہ ہم سب کو ہدایت فرمائے اور خاتمہ بخیر کرے۔

جانب مخالف اپنی ''اتباعِ سنت'' کے صفحہ۳ میں تحریر کرتا ہے کہ:

''جناب ڈپٹی صاحب ان مسائل کو ناجائز فرماتے تھے اور مولوی صاحب بھی ان مسائل میں اُن کے ہم پیالہ وہم نوالہ رہے چنانچہ اُس زمانے کے بعض فتوؤں پر مولوی صاحب کی مہر موجود ہے کہ یہ اُمور یعنی تیجہ وفاتحہ وغیرہ ناجائز اور بدعت ہیں،اور بعض فتوے اُن میں سے چھپ کر مشتہر ہوگئے اور بعض اس شہر میں بعینہٖ موجود ہیں،جس کو تردد ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم اُس کو دکھادیں گے۔''

اقول جس وقت آپ ہمیں مولوی صاحب کا مہری ودستخطی فتویٰ دکھلایا تو اُس وقت ہم اس کا جواب دیں گے۔اس لئے کہ آپ کی طبیعت میں ہمیشہ سے افترا وسخن پروری (۱۴) ہے لہٰذا آپ کی بات قابل تسلیم نہیں۔

---

(۱۳) : مولانا محمد گل علیہ الرحمہ (۱۴) : تہمت اور ہٹ دھرمی

''اتباع السنہ'' میں صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ

''مولوی صاحب کو ڈپٹی صاحب کے یہاں بہت کچھ رسوخ ہو گیا یعنی کہ مدرسہ کے مدرس ہو گئے (یہ علم کی وجہ تھی یا بے علمی کی؟) اور ڈپٹی صاحب کی زندگانی بھر اسی عقائد پر رہے (سوائے افترا کے تم کو اور کام ہی نہیں) اور بمبئی والوں کی وجہ سے تبدیل مذہب کیا اور واپس آ کر یہ رسالہ جات (نعوذ باللہ من ذالک) جواز بدعات میں تحریر کیے۔''

اقول اگر تبدیل مذہب کی وجہ بمبئی کا چندہ ہوتا تو اب بمبئی کا چندہ نہیں ہے تو پھر مولوی صاحب، ڈپٹی صاحب کے زمانے کا مذہب کیوں اختیار نہیں کر لیتے؟ اور اگر آپ یہ کہیں کہ اب اور ہم مشربوں کے سبب سے نہیں کرتے تو یہ اعتراض ہر عالم پر وارد ہو سکتا ہے، مولوی صاحب کی کیا تخصیص؟ اور اگر باقی فضائل علمی اور حُسن انتظام تعلیم و تعلم مدرسہ کا اگر آپ کو یقین نہ ہو تو (مدرسہ امدادیہ کا) روئداد مطبوعہ ۱۸۸۳ء وغیرہ جو ڈپٹی صاحب کے زمانے کی ہیں دیکھو اور اب بھی جو مدرسہ کے سالانہ اشتہار چھپتے ہیں دیکھو۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم (۱۵) چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

جانب مخالف اپنی ''اتباع السنہ'' کے صفحہ ۴ میں بعد اظہار افترائے کیفیت علمی بہ نسبت جناب مولوی صاحب کے لکھتا ہے:

''اور (جناب مولوی صاحب کی) اتباع سنت کی یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی صاحب یہ امر تحقیق کرنا چاہیں کہ مولوی صاحب جمعہ باجماعت پڑھتے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام مراد آباد میں ایسا کوئی شخص شاید نہ ملے گا جو یہ بیاں کرے کہ مولوی صاحب فلاں مسجد میں جمعہ باجماعت پڑھتے تھے بلکہ آج کیا معنی ۵، ۷ برس گذشتہ میں بھی اگر تلاش کرو گے تو ایک گواہ سچا

(۱۵): اگر دن کی روشنی میں چمگادڑ کی آنکھ نہ دیکھے تو سورج کا کیا قصور۔

اس بات کا نہ پاؤ گے کہ مولوی صاحب کو اُس مسجد میں جمعہ با جماعت پڑھتے دیکھا۔ الا ماشاءاللہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ " مااتکم الرسول فخذوہ " (۱۶) پر کیا کچھ عمل ہے۔ ناظرین کو اگر میرا یقین نہ ہو تو شہر میں تحقیق کر لیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ ایک حرف کا سرِ مو (۱۷) فرق نہ پائیں گے۔"

اقول افترا سے درگذر کر انصاف یہ ہے کہ اوّل جناب مولوی صاحب حامیٔ سنت کی بیماریوں کا حال تمام شہر کے طبیبوں سے دریافت کرنا چاہیے کہ اُن کو عرصہ آٹھ سال یا کچھ کم و بیش سے وہ وہ سخت اور ہائل (۱۸) بیماریاں لاحق حال ہیں کہ اگر دوسرے شخص کو ہوتیں تو خدا جانے کہ اُس کا کیا حال ہوتا، اور وہ کیا کیا بے چینی ظاہر کرتا۔ مولوی صاحب باوجود ان سخت مسطورۂ ذیل (۱۹) بیماریوں کے صبر کرتے ہیں اور مسائل ضروریہ شرعیہ کا جواب اور علوم دینیہ حتی المقدور پڑھاتے ہیں اور وہ بیماریاں یہ ہیں کہ دردِ کمر یہاں تک کہ بعض اطباء کے گمان میں وجع الورک ہے، اور دمہ کی ایسی سخت بیماری اُن کو لاحق حال ہے کہ پانچ چھ قدم چلنے سے تمام بدن کا حال متغیر اور اکثر اوقات کھانسی بھی شروع ہوتی ہے اور برس دو برس گٹھیا کی بیماری بھی رہی کہ نہ طاقت نشست و برخاست (۲۰) اور نہ بغیر اعانت دوسرے شخص کے چارپائی سے اُترنے کی طاقت اور مدت تک مرض تبخیر شدید میں گرفتار رہے اور مدت مدید سے سالانہ ششماہی دردِ گردہ کا ایسا دورہ پڑتا ہے کہ خدا نجات دے۔ مگر اب فضل الٰہی ہے کہ اور بیماریوں کے بوجہ علاجہائے کثیر اطباء شہر اور باہر کے قدرے افاقہ ہے۔ مگر دردِ کمر کہو یا وجع الورک کہو اور نیز مرض دمہ بھی ابھی تک ایسا لاحق حال ہے کہ ان دونوں کے سبب سے چلنا درکنار بلکہ نشست و برخاست بھی اُن سے بمشکل ہوتی ہے۔ سب مراد آباد والوں کو

(۱۶) : رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو (۱۷) : بال برابر (۱۸) شدید
(۱۹) : نیچے لکھی ہوئی (۲۰) : اٹھنا بیٹھنا

معلوم ہے کہ ان امراضِ شدیدہ کی وجہ سے مرادآباد چھوڑ کر وطن جانے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ یہاں سے پشاور پہنچ کر وہاں ڈیڑھ دو برس بھی رہے مگر آگے جانے کی سبیل نہ ہوسکی لہٰذا ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ہند کی ہدایت کے واسطے پھر مرادآباد بھیجا۔ اگر اس بات کا اعتبار نہ ہوتو سب ساکنانِ مرادآباد سے پوچھنا چاہیے۔ چوں کہ جناب مولوی صاحب کو ان بیماریوں کے علاوہ اور بیماریاں بھی لاحق حال ہوئیں کہ اُن کے سبب سے نشست و برخاست بھی مشکل ہے۔ تو ان حالات میں جمعہ اور جماعت کیسے اُن پر واجب اور لازم ہوں گی۔ سب فقہا بالاتفاق لکھتے ہیں کہ **"جس مریض کا حال ایسا ہو کہ بیماری کی وجہ سے چلنے کے قابل نہ ہے تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔"** چنانچہ عالمگیری کے باب الجمعہ میں مسطور ہے "لاتجب الجمعة علی العبید و النسوان و المسافرین و المرضی" (۲۱) یعنی جمعہ فرض نہیں ہے غلاموں، عورتوں، مسافروں اور بیماروں پر "ھکذا فی باقی کتب الفقه" (۲۲) اور نیز ایسے بیمار پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم نہیں ہے چنانچہ عالمگیری میں مسطور ہے "تسقط الجماعة بالاعذار حتی لاتجب علی المریض" (۲۳) یعنی نماز باجماعت عذروں کے سبب سے ساقط ہوجاتی ہے یہاں تک کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مریض پر واجب نہیں کتب فقہ میں اور بھی بہت سے اسباب بیان کیے گئے ہیں کہ جن کے سبب سے جماعت ساقط ہوتی ہے۔ چونکہ کتب فقہ میں مضامینِ احادیث رسول ﷺ کماحقہ بیان ہوتے ہیں لہٰذا مولوی صاحب مدظلہ "ما اٰتٰکم الرسول فخذوه" (۲۴) کے مصداق ہوگئے اور بموجب اقوال گذشتہ کے جانب مخالف "ما نھٰکم عنه فانتھوا" (۲۵) سے خارج اور

---

(۲۱) : فتاوی عالمگیری، باب صلاة الجماعة، جلد ۱ صفحه ۱۴۴،

(۲۲) : ایسا ہی بقیہ کتب فقہ میں ہے۔

(۲۳) : فتاوی عالمگیری، جلد ۱/۸۳، باب الامامة، الفصل الاول فی الجماعة.

(۲۴) : جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو۔ (ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۸، سورۃ الحشر آیت ۷)

(۲۵) : اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت ۷)

"من شذ شذ فی النار" (۲۶) میں داخل ہوا۔

نیز جانب مخالف اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۴ کی اخیر سطر میں لکھتا ہے کہ:

"اس بیان سے معلوم ہوجائے گا کہ مولوی صاحب کا علم کہاں تک ہے حدیث، تفسیر، فقہ اصول کچھ نہیں پڑھا، کچھ فقہ ابتدائی اپنے وطن میں پڑھ آئے تھے۔ غور کرو کہ ایسا شخص مسئلہ شرعی میں کتنا دخل دے سکتا ہے! وہ کتب شرعیہ کو کیا سمجھ سکتا ہے!"

اقول کچھ نہ پڑھنے کا تو یہ ثمرہ ہے کہ آپ جواب نہیں دے سکتے، اگر پڑھتے تو کیا ہوتا؟ یہ قول کہ فقہ اصول کچھ نہیں پڑھا پہلے قول کے برخلاف ہے۔ مولوی صاحب مدظلہ نے اتنا دخل دیا کہ آپ (یعنی جانب مخالف) ہر سوال کے جواب میں حیران ہوگئے، چنانچہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔ مسائل شرعیہ میں دخل اندازی اور کتب شرعیہ کو سمجھنے کا حال اس وقت معلوم ہوگا کہ میری کتاب اخیر تک آپ دیکھیں باوجودیکہ میں جناب فیض مآب کا ادنیٰ درجہ کا شاگرد ہوں، جو کچھ میں نے حاصل کیا ہے، یہ انھیں کی خدمت کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔

نیز جانب مخالف نے اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۴ میں طعن دی ہے کہ

"مسمیرزم اور رمل سیکھا اور مشق کی"

اقول وجہ اس افترا کی یہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کے پاس بکثرت بیمار آتے ہیں اور اُن سے اپنی بیماریوں کا حال ظاہر کرتے ہیں۔ جناب مولوی صاحب اسم ذات پڑھ

---

(۲۶): یہ ایک حدیث پاک کا آخری ٹکڑا ہے پوری حدیث اس طرح ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایجمع اللہ امتی علی الضلالۃ ابداویداللہ علی الجماعۃ ھکذافاتبعوالسوادالاعظم فانہ من شذشذفی النار" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دیگا اور جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ جہنم میں الگ ہی جائے گا۔ [المستدرک للحاکم، کتاب العلم ۱/۲۰۱]

کر اُن بیماروں پر پھونکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان بیماروں کو شفا عطا فرماتا ہے۔ تعویذ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''یا اللہ اچھا کر'' اور کبھی تحریر فرماتے ہیں ''انی مغلوب فانتصر'' (۲۷) اور کبھی دیگر اسماء الٰہیہ۔ اکثر لوگ اُن سے اپنی خواب کی تعبیر بھی لینے آتے ہیں نیز استخارہ کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ مولوی صاحب کی تعبیر خواب ایسی ٹھیک اور سچی ہوتی ہے کہ سرِ موفرق نہیں رہتا۔ (اسی طرح) استخارہ کا عمل اُن کا ایسا مجرب ہے کہ کسی نے خواب یا بیداری میں جو کچھ دیکھا وہ بعینہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ دیکھا۔

چوں کہ جانب مخالف اور اُن کے ہم مشربوں نے یہ امر مولوی صاحب کا دیکھا اور لوگوں کی توجہ بکثرت اس طرف پائی تو اسمِ ذات کے عملیات پر تو یہ افترا شروع کیا کہ یہ مسمریزم ہے اور خوابوں کی تعبیر پر یہ تہمت لگائی کہ انھوں نے رَمل سیکھا ہے۔ مقصود اس افترا سے صرف یہ ہے کہ مولوی صاحب کی طرف کوئی توجہ نہ کرے:

چراغی را کہ ایزد برفروزد (۲۸) ہر آنکس دم زند ریشش بسوزد

بھلا (جانب مخالف نے) اتنا نہ سمجھا کہ ابو جہل کے انکارِ اعجاز رسول اکرم سے اشاعت اسلام نہ رکی نہ اس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ یہ کیا اعتراض ہے کہ مولوی صاحب نے رَمل سیکھا! خود تو سب سے عاری اوروں پر اعتراض!

---

(۲۷) : میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت: ۱۰،

(۲۸) جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن فرماتا ہے۔ (اس کو بجھانے کے لئے) جو شخص بھی پھونک مارتا ہے اس کی داڑھی جل جاتی ہے،

جانب مخالف کا اپنے مدعا یعنی حُرمت فاتحہ مروجہ ہند کو دلیل شرعی سے ثابت کرنے سے انکار

جناب مولوی صاحب قاطع بدعت مدظلہ نے'' دُعائے برکت'' کے اخیر میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ میں نے یہ مسائل قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیے ہیں اگر کوئی ایسا ہو کہ یہ مسائل اُس کے عندیات (۲۹) کے برخلاف ہوں اور جواب کے لئے بہ نیت اظہار حق مستعد ہو اور احقاق واثبات حق اُس کو منظور ہو تو مولوی صاحب مدظلہ نے مدعی حق سے چند دلائل طلب فرمائے تھے۔ اس لئے کہ جس کو اثبات حق منظور ہو، وہ حق کا مدعی ہو گا اور مدعی سے دلیل مانگنا مناظرۂ رشیدیہ اور آدابِ باقیہ سے برخلاف نہیں۔ مگر جانب مخالف کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ کہے کہ میں حق کا مدعی ہوں اور میرا مدعا حق ہے، جس کی حقیقت ان دلائل طلب شدہ سے ثابت کرتا ہوں۔ (لیکن جانب مخالف ایسا نہیں کر سکا کیوں کہ) وہ خوب جانتا ہے کہ اُس کا مدعا نہ کسی روایت صحیحہ سے اور نہ اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ ورنہ اُس کو دلیل میں لانے میں روایات صحیحہ اور اقوال فقہا سے کیا عذر تھا کہ ساری کتاب کو بے سند اعتراضوں سے بھر دیا۔ اگر اُن کی دلیل ہوتی تو اتنے صفحوں کو کیوں کالا کرتا بلکہ دلائل مطلوبہ اپنی کتاب میں لکھتا تا کہ اُس پر سب کا اتفاق ہو کر عنداللہ ماجور ہوتا۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جانب مخالف کو آئندہ بھی دلیل لانے کی جرأت نہیں ہے۔

چنانچہ اتباع السنہ کے صفحہ ۶ کے اخیر میں لکھتا ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے

'' (یعنی مولوی صاحب مدظلہ) اگر از سر نو اپنے مدعا کو دلائل سے ثابت کرے تاہم میں اعتراض کروں گا۔''

وہ دلائل جو مولوی صاحب نے جانب مخالف سے طلب فرمائے ہیں وہ ایسے ہیں کہ بغیر اُن کے

(۲۹): منشاء

جانب مخالف کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا، مگر انھوں نے ہر جگہ اپنے مدعا کی حقیقت ثابت کرنے سے گریز کیا ہے۔ حضرت مجمع الفیوض کا مطالبہ اوّل جانب مخالف سے یہ ہے کہ اگر جانب مخالف اِس امر کا مدعی ہو کہ یہ امور جو احادیث صحاح سے ثابت اور کتاب ''دُعائے برکت'' میں مسطور ہیں وہ رسول اکرم کے ساتھ مختص ہیں، غیر کے لئے جائز نہیں۔ تو ان اُمور کا اختصاص رسول اکرم کے ساتھ کسی دلیل شرعیہ سے ثابت کرے۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ اگر جانب مخالف اس امر کا مدعی ہو کہ یہ اُمور رسول اکرم کے ساتھ مختص ہیں تو جب تک اس اختصاص کو دلیل شرعی سے ثابت نہ کرے تو ہم کیسے جانیں گے کہ اُس کا مدعا صحیح ہے۔ جانب مخالف نے جو اس مطالبہ کا جواب صفحہ ٦ میں دیا ہے، وہ یہ ہے

> ''میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ عالم ہو کر ایسا فرمائیں، مدرسہ کے مدرس اوّل آپ نے ضرور کبھی نہ کبھی مناظرہ رشیدیہ، یا آداب باقیہ یا اُصول فقہ پڑھا نہ سہی دیکھا تو ہوگا۔ آپ مدعی ہیں مسئلے کو دلیل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، جو کوئی آپ کو جواب دے گا وہ مجیب اور سائل ہوگا، اُس کو اختیار ہے کہ آپ کی دلیل پر نقص اجمالی کرے یا نقص تفصیلی کرے یا معارضہ کرے یا منع وارد کرے، پھر چاہے سند لائے اگر حاجت ہو یا نہ لائے۔''

اقول کیا خوب سوال از آسمان جواب از ریسمان (۳۰) جناب مولوی صاحب نے آپ سے یہ استفسار فرمایا ہے کہ اگر آپ اس امر کے مدعی ہوں کہ جو امور دُعائے برکت میں مسطور ہیں وہ رسول اکرم کے ساتھ مختص ہیں، تو یہ اختصاص کسی دلیل شرعی سے ثابت کرو۔ اور یہ مردَک (۳۱) یہ جواب دیتا ہے کہ مجھ کو اختیار ہے کہ آپ کی دلیل پر بے سند و باسند اعتراض کروں۔ اب میں جانب مخالف کو سُناتا ہوں کہ بخوبی اطمینان رکھو کہ آپ کے جملہ اعتراضات مندرجہ ''اتباع السنہ'' کا جواب آئندہ کتاب میں ان شاءاللہ بخوبی تحریر کروں گا۔

---

(۳۰) : سوال کچھ اور جواب کچھ۔ (۳۱) : حقیر آدمی۔

مگر یہ امر ضرور ہے کہ اگر آپ کا مدعا ان اُمور کا اختصاص کلی طور پر یا بعض میں رسول اکرم کے ساتھ ہو تو کسی دلیل شرعی سے اس کو ثابت کرو۔ چنانچہ ''نور الانوار'' میں مسطور ہے کہ

''والصحیح عندنا ان ما علمنا من افعاله صلی الله علیه وسلم واقعا علی جهة من الوجوب او الندب والاباحة نقتدی به فی ایقاعه علی تلک الجهة حتی یقوم دلیل الخصوص فما کان واجبا علیه یکون واجبا علینا وما کان مندوبا علیه یکون مندوبا علینا وما کان مباحاله یکون مباحالنا''(۳۲)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی صفت ہم کو معلوم ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت واجب یا مستحب یا مباح ہے تو ہم بھی اس فعل کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے لئے ویسا ہی جان کر کریں گے یہاں تک کہ دلیل خصوصیت قائم ہو۔ نیز قاعدہ اصولیہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی صفت ہم کو معلوم نہ ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت واجب یا مستحب یا مباح ہے تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ اس فعل کا اباحت ہے اور پیروی اس فعل کی اصل ہے اور تمسک اور عمل اصل پر واجب ہے۔ یہاں تک کہ دلیل خصوصیت قائم ہو۔ چنانچہ حسامی میں مسطور ہے کہ'' ومالم نعلمه علی ای جهة فعَله فلنا فعلُه علی ادنیٰ منازل افعاله صلی الله علیه وسلم وهو الاباحة لان الاتباع اصل فوجب التمسک به حتی یقوم دلیل خصوصه به''(۳۳) اور نور الانوار میں مسطور ہے کہ

ہ'' ومالم نعلم علی اية جهة فعله قلنافعله علی ادنی منازل

---

(۳۲): نورالانوار، ص، ۲۱۷، بحث افعال النبی صلی الله علیه وسلم
(۳۳): حسامی، ص، ۹۲، بحث السنة

افعاله و هو الاباحة لانه لم يفعل حراما اومكروها البتة فلابدان يكون مباحاً"(۳۴)

یعنی رسول اکرم کے جس فعل کی کیفیت ہم کو معلوم نہ ہو تو ادنیٰ درجہ اُس فعل کا اباحت ہے، اس لئے کہ رسول اکرم نے فعل حرام ومکروہ ادا نہیں کیا ہے۔ نیز قاعدہ اُصولیہ یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فعل کریں اور اُس فعل کی خصوصیت کی دلیل متروک اور غیر مذکور ہو تو جانو کہ اس فعل میں نبی مقتدا ہیں اور اُمت اُن کی تابعدار یعنی اُمت بھی وہی فعل کرے گی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ چنانچہ غاية التحقيق شرح حسامی میں موجود ہے کہ

"الرسل ائمة يقتدى بهم فالاصل فى كل فعل منهم جواز الاقتداء بهم الاماثبت فيه دليل الخصوصية واذاكان الاصل هذا ففى كل فعل يكون منهم بصفة الخصوص يحب بيان الخصوصية"(۳۵)

اور نیز غایۃ التحقیق میں مسطور ہے کہ" فترك بيان الخصوصيت دليلا على انه من جملة الافعال التى هوفيهاقدوة امته "(۳۶) یعنی جہاں دلیل خصوصیت متروک ہو تو اس امر کی دلیل ہے کہ یہ فعل اُن افعال میں سے ہے کہ امت کے لئے جائز ہیں۔ اب اگر آپ ان اُمور کی خصوصیت رسولِ اکرم کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ضرور

---

(۳۴): نورالانوار، ۲۱۷ بحث افعال النبى صلى ال[illegible]ہ عليه وسلم

(۳۵): كتاب التحقيق المعروف بغاية التحقيق، لعبدالعزيز بن احمد بن محمد بخاری، ص۱۹۹، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

(۳۶): كتاب التحقيق المعروف بغاية التحقيق، لعبدالعزيز بن أحمد بن محمد بخاری، ص۱۹۹، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

اس اختصاص کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں اور کیا تعجب ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ دلائل شرعیہ چار ہیں؛ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ امور رسول اکرم کے معجزے ہیں لہٰذا رسول اکرم کے ساتھ مختص ہیں تو اس کا جواب" دُعائے برکت مطبوعہ مطبع شمس المطابع مراد آباد" کے آخر میں بخوبی مسطور ہے اگر آپ اس کو دیکھیں تو آپ کو کامل تشفی ہوگی۔ مگر حسد بری بلا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بمیر تا برہی اے حسود کین رنجیست (۳۷) کہ از مشقت او جز بمرگ نتوان رست

جناب مولوی صاحب کا مطالبہ دوم جانب مخالف سے یہ ہے کہ جانب مخالف یعنی مدعی اگر ان اُمور کو جو دُعائے برکت میں مسطور ہیں اختصاص سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کر سکے تو یہ ثابت کرے کہ یہ اُمور اوائل شرع میں عموماً جائز تھے پھر رسول اکرم نے ممنوع اور منسوخ فرمائے۔ جانب مخالف نے اپنی اتباع السنہ کے صفحہ ۷ میں اس مطالبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شرط محض بے معنیٰ ہے اور لاعلمی اور نادانی پر مبنی ہے لہٰذا ہرگز منظور نہیں ہوسکتی، اب تو جانب مخالف ہوش پراگندہ وحواس باختہ چار خانے چت گرا اور ہچکی لے کر رہ گیا۔ دلیل شرعی سے جواب دینا تو در کنار اعتراض کا بھی دم نہ مارا۔ یہ کیا سخت شرط تھی کہ اپنی عادت بھی بھول گیا اور اپنے قول سے وقتاً فوقتاً تنزل میں رہا۔ آیا کہ یہ لاعلمی ہے کہ کسی مسئلے کے لئے جو آپ کا عین مدعا ہے کوئی دلیل شرعی آپ سے مانگے تو آپ کے مناظرہ رشید یہ اور آداب باقیہ کچھ کام نہ آئے۔ لہٰذا دونوں ہاتھ اُٹھا کر خدائے پاک سے یہ دُعا مانگو کہ اپنے خزانہ غیب سے نقد ہدایت عطا فرمائے اور فیضانِ رحمت سے ڈھانپ لے۔

مطالبہ سوم جناب ہدایت مآب مدظلہ کا جانب مخالف یعنی مدعی سے یہ ہے کہ اگر ان امور کی تخصیص رسول اکرم کے ساتھ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ کر سکے اور نہ یہ ثابت کر سکے کہ

---

(۳۷) : اے حسد کرنے والے مرجا، تاکہ اس سے چھٹکارا پائے کہ یہ ایسا رنج ہے۔ کہ اس کی تکلیف سے سوائے مرنے کے اور کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔

اولاً یہ اُمور سرورِ کائنات کے زمانے میں جاری تھے بعد میں رسول اکرم نے ان کو ممنوع اور منسوخ فرمایا تو صاف صاف یہ لکھے کہ خدا ورسول کے قول سے ان امور کی تخصیص و نسخ ثابت نہیں ہے بلکہ ان اُمور کو علماء نے بدعت لکھا ہے اور ''کل بدعة ضلالة'' (۳۸) کے تحت داخل کیا ہے تو ان علماء کا قول اس شرط پر بسر و چشم مقبول ہے کہ باتفاق فقہا یہ علماء طبقات مجتہدین میں داخل ہوں اور اُن کی روایات جو اثبات مدعا کے لئے نقل کرے مفتی بہا بھی ہوں تو جانب مخالف نے اس مطالبہ سوم سے اپنی ''اتباع السنہ'' کے صفحہ ۸ میں یہ عذر پیش کیا ہے کہ ایسی ناانصافی کی شرط کون سا عاقل مصنف قبول کرسکتا ہے اور کس کو ضرورت ہے کہ آپ کے جواب میں اقوال بزرگان نقل کرے۔ اب اس مرد مجذوب (۳۹) کا حال تو دیکھو کہ بزرگانِ دین اور فقہاء مجتہدین کے اقوال نقل کرنے سے بھی صاف انکار کرتا ہے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اب یہ بحث درپیش ہے کہ یہ تین سوال جو جناب مولانا صاحب مدظلہ نے تحریر فرمائے اور اُن کا جواب بھی آپ نہ دے سکے۔ اب میں بھی آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے مدعا کی حقیقت کے مدعی ہوں تو ان تینوں مطالبات کا جواب ضرور دیں جو جناب مولوی صاحب عم فیوضہم نے آپ سے کئے ہیں۔ ورنہ اپنا ''مناظرۂ رشیدیہ'' اور ''آدابِ باقیہ'' بغل میں داب کر کنج عزلت (۴۰) اختیار کریں۔

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد (۴۱) ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

آمدم برسرِ مطلب (۴۲): جناب مولانا صاحب مدظلہ نے ابتدائے دُعا برکت میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض بعض مسائل مبسوط آتیہ یعنی بزرگانِ دین اور موتی کو ایصال ثواب نیز حصول برکت کی غرض سے طعام پر فاتحہ دینا وغیرہ جو اس رسالہ میں مشروحاً بیان کیے گئے ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ جانب مخالف نے اتباع السنہ کے صفحہ ۸ میں اس کا

---

(۳۸): ہر بدعت گمراہی ہے (۳۹) پاگل (۴۰) مکمل تنہائی (۴۱) جو کہ فولادی بازو سے پنجہ آزمائی کرے گا۔ اپنی چاندی سی کلائی کو رنجیدہ کرے گا۔ (۴۲) اب میں اصل مطلب بیان کرتا ہوں۔

جواب یہ لکھا ہے کہ

''اگر مبسوط آیت سے مراد ہے کہ مسائل مذکورہ آیت قرآنی سے ثابت ہیں اور قرآن میں مبسوط ہے تو غلط ہے کیوں کہ مؤلف نے تمام رسالہ میں کوئی آیت ان مسائل کی دلیل میں نہیں لکھی ہے۔ مؤلف کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں کا حکم ایک معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اصلی قرآن تو ملتا نہیں ہے، اور یہ مصحفِ عثمانی ٹھہرا۔ تو اس کا مرتبہ کیوں کر حدیث سے بڑھے گا۔ لہٰذا حدیث سے دلیل لانا گویا قرآن سے دلیل لانا ہے یا بر بناء دروغ گو را حافظہ نباشد (۴۳) یاد نہ رہا ہو کہ میں خطبے میں کیا لکھ آیا ہوں۔''

جانب مخالف نے کتنی غلطیاں کی ہیں ۔اوّل یہ کہ مولانا صاحب مدظلہ نے لفظ آتیہ لکھا تھا، جس کے معنی آئندہ ہیں اور اُنھوں نے بسببِ ناحرف شناسی کے آتیہ کو آیت پڑھا اور یہ اعتراض شروع کئے کہ تم نے تمام رسالے میں کوئی آیت ان مسائل کی دلیل میں نہیں لکھی۔ افسوس! اگر جانب مخالف کتاب ''دُعائے برکت'' کسی حرف شناس (۴۴) دوکان دار سے بھی پڑھ لیتے تو اُمید تھی کہ اس غلطی سے بچتے۔

دوم یہ کہ مولانا صاحب بعضے مسائل میں قرآن شریف سے بھی دلیل لائے ہیں جس کا اقرار جانب مخالف نے اپنی ''اتباع السنہ'' کے اخیر میں صفحہ ۳۵ پر خود کیا ہے کہ

''اس مسئلے کو تم نے آیت اور حدیث سے لکھا ہے، وہاں تاخیر دُعا کے لئے مفید ہے مضر نہیں ۔اور وہ عبارت یہ ہے کہ بجنسہ نقل کرتا ہوں جو آیت اور حدیث مؤلف نے لکھی ہے وہاں تاخیر مفید ہے مضر نہیں اور ایصال ثواب طعام وغیرہ میں تاخیر مضر ہے''

اب اس عبارت میں جانب مخالف سے یہ صاف اقرار ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی

(۴۳) : جھوٹے کو یاد نہیں رہتا۔ (۴۴) : حرف کو پہچاننے والا۔

مولانا صاحب نے اپنی کتاب کے بعض مسائل کے لئے قرآن شریف کی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ جانب مخالف نے یہ بھی سوچا کہ میں اپنی ''اتباع السنہ'' کے صفحہ ۸ پر کیا لکھ آیا ہوں اور صفحہ ۳۵ پر کیا لکھ رہا ہوں۔ اب بتاؤ کہ دروغ گو را حافظہ نباشد (۴۵) کا مصداق کون ہے۔

ہر آن کہتر کہ با بہتر ستیزد (۴۶) چنیں افتد کہ ہرگز برنخیزد

شاید یہ کتاب کسی کمیٹی نے لکھی ہو کہ شروع میں کسی نے کچھ لکھ دیا اور آخر میں کسی نے کچھ۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے حال سے بے خبر رہ کر یہ کتاب چھپوادی گئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اصول یا مناظرۂ رشیدیہ اور آداب باقیہ سے کچھ ایسے مضامین کا جواز ثابت کیا ہو جن میں تناقص ہو

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند (۴۷) در جہل مرکب ابدالدہر بماند

یہ بھی احتمال ہے کہ قریب ۹-۱۰ سال قبل جناب مولوی صاحب مدظلہ نے ''دُعائے برکت'' تالیف فرمائی تھی، لہٰذا اُسی وقت سے جانب مخالف نے جواب لکھنا شروع کیا ہو اور (اتنے طویل عرصے میں) اخیر میں اوّل کی بات یاد نہ رہی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت ''استغفر لکم ربی الایۃ'' جو کہ مولوی صاحب نے اپنے اثبات مدعا کے لئے نقل کی ہے، جانب مخالف کے نزدیک یہ کوئی آیت نہ ہو، اور اُنھوں نے اپنے اس قول پہ عمل کیا ہو کہ اصل قول تو ملتا نہیں ہے اور یہ مصحفِ عثمانی ٹھہرا، پھر اس کا مرتبہ کیوں کر حدیث سے بڑھے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''لن یصلح العطار ما افسده الدهر'' یعنی ہرگز عطار اُس کی اصلاح نہیں کر سکتا جس کو زمانے نے سڑھا دیا ہو۔ ماشاء اللہ مجتہد صاحب یعنی جانب مخالف سب ہی گنوں میں پورے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی کتاب سے ''اتباع السنہ'' اور ''ارشاد المسلمین'' کا بھی ارادہ رکھتے ہیں:

اگر ایں مکتب ست و ایں ملا (۴۸) کار طفلاں تمام خواہد شد

(۴۶) : جو حقیر کسی بہتر سے لڑے گا۔ ایسا گرے گا کہ ہرگز نہ اٹھ سکے گا۔
(۴۷) : جو شخص کہ نہیں جانتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔ تو وہ ہمیشہ مکمل جہالت میں رہتا ہے۔
(۴۸) : اگر یہی مدرسہ رہا اور یہی ملا۔ تو بچوں کا کام تمام ہو جائے گا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اگر آپ اپنی اصلاحِ معاد(۴۹) چاہیں تو کسی سے ''دُعائے برکت'' پڑھ کر اُس پر عمل کیجئے۔ گالی دینا اور سخت کلامی کرنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں ہے، جو حق بات تھی میں نے بیان کی۔

مراد ما نصیحت بود گفتیم (۵۰) حوالت باخدا کردیم ورفتیم

نیز جانب مخالف نے اپنی ''اتباع السنہ'' کے صفحہ ۹ میں تحریر کیا ہے:

''مؤلف نے برائے حیلہ فریبی ودھوکہ دہی عوام چند سوال جواب ذہن سے تراشے ہیں اور چند اُمور جدا جدا احادیث سے ثابت کر کے فاتحہ مروجہ دیارِ ہند کو ثابت کرنا چاہا ہے۔''

اقول جدا جدا احادیث سے اگر مولانا صاحب مدظلہ نے یہ اُمور مستحبہ ثابت کیے ہیں تو کیا مضائقہ(۵۱) ہے؟ اس لئے کہ اگر ایک حدیث میں جمیع آداب ومستحبات شرع ہوتے تو صحاح کی بڑی بڑی کتابوں کی کیا ضرورت تھی۔ اب ذرا غور سے دیکھو کہ کتب حدیث میں سب مستحبات اور آداب شرع ایک حدیث میں موجود ہیں یا نہیں! اگر نہ ہوں تو ائمہ دین نے بھی ان مستحبات اور آداب کو جدا جدا احادیث سے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا حضرت اُستاذ نے بھی ائمہ دین کا اتباع کیا تو اس میں کیا مضائقہ!

نیز جانب مخالف نے اپنی ''اتباع السنہ'' میں صفحہ ۱۰ پر ایک سوال تحریر کیا ہے کہ اُس فاتحہ مروجہ میں جو اُمور اُن کے نزدیک شرک و بدعت ہیں، سب داخل کیے ہیں۔ اب اس سوال کو نقل کر کے بعونہ تعالیٰ قرآن شریف اور احادیث صحاح اور فقہ کی مفتی بہا روایتوں اور ضوابط اُصول سے جواب تحریر کرتا ہوں۔ اس سوال کا جواب کُل رسالے کا جواب سمجھنا چاہیے اس لئے کہ جانب مخالف نے اپنی ''اتباع السنہ'' میں فاتحہ مروجہ میں جو کچھ حرام بتایا ہے اور اُس

---

(۴۹) آخرت (۵۰) ہمارا مقصد نصیحت کرنا تھا وہ ہم نے کر دیا اب تجھ کو خدا کے حوالے کرتے ہیں اور ہم جاتے ہیں۔ (۵۱) حرج

کی حرمت کا قائل ہوا ہے، وہ سب اس سوال میں موجود ہیں۔ وہ سوال یہ ہے کہ

''مؤلف سرقہ کو کام میں لا کر امر واقعی مروج زمانہ چھپاتا ہے۔ اگر امر مروج و مرسومہ بیان نہ کرنا تھا تو یوں سوال کرنا چاہیے تھا سوال ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ طعام پختہ مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھا جاتا ہے، اور وہ اُس پر ہاتھ اُٹھا کر قرآن پڑھتا ہے اور اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے اور بدون (۵۲) اس ہیئت کذائی (۵۳) کے ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا۔''

اقول بتوفیق اللہ تعالیٰ؛ پہلے اس سوال کی تفصیل ضروری ہے تاکہ عام و خاص کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس سوال میں چند مضمون ہیں:

اوّل:- یہ کہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھا جاتا ہے۔

دوم:- یہ کہ مؤذن اس طعام پر ہاتھ اُٹھا کر صدقہ دینے والوں کے لئے دُعا کرتا ہے۔

سوم:- یہ کہ اس دُعا میں مؤذن وغیرہ قرآن پڑھتے ہیں۔

چہارم:- یہ ہے مؤذن وغیرہ اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔

پنجم:- یہ کہ بدون اس ہیئت کذائی کے ایصالِ ثواب نہیں ہوتا۔

اب اس ایک ایک مضمون کی تفصیل سوال و جواب کی صورت میں پیش کی جاتی ہے

سوال: ہند میں یہ طریقہ رائج ہے کہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھا جاتا ہے، آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:۔ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھنا جائز اور فقہ کی کتابوں سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ یہاں کے لوگ صورت بالا میں طعام مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھ کر بہ نیت صدقہ مؤذن وغیرہ کو تملیک کرتے ہیں، چنانچہ جانب مخالف کے قول سے بھی ثابت ہے۔

(۵۲) بغیر (۵۳) موجودہ حالت

جانب مخالف نے اپنی ''اتباع السنہ'' کے صفحہ ۱۴ پر لکھا ہے:

''ایصال ثواب میں صدقہ کا پہنچانا ہے، وہ فعل معطی (۵۴) ہے، جس کا تعلق معطی سے ہے، لہٰذا طعام سامنے رکھنا فضول حرکت ہے اگر سامنے ہی رکھنا تھا تو صدقہ کرنے والے کے سامنے رکھ کر دُعا کرتے۔''

اور صدقہ بلکہ ہبہ بھی اُس وقت صحیح اور مفید ملک ہوگا کہ مؤذن وغیرہ کو اس طعام پر قبضہ یا قبضہ پر قدرت حاصل ہو چنانچہ درمختار میں مسطور ہے ''والصدقة كالهبة بجامع التبرع وحينئذ لاتصح غير مقبوضة'' (۵۵) یعنی صدقہ مانند ہبہ بغیر قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔ نیز درمختار میں نتف سے منقول ہے'' وفى النتف ثلثة عشر عقدا لاتصح بلاقبض ''(۵۶) یعنی تیرہ عقد بغیر قبضے کے صحیح نہیں ہوتے، اور شامی میں اس عبارت بالا کے تحت مسطور ہے کہ'' احدها الهبة والثانى الصدقه''(۵۷) یعنی اُن میں سے ایک ہبہ دوسرا صدقہ ہے۔ نیز درمختار میں مسطور ہے کہ ''والتمكن من القبض كالقبض '(۵۸)، یعنی قبض پر قابض ہونا قبض کے مانند ہے۔ ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ اور ہبہ کی صحت کے لئے قبضہ یا قبضہ پر قدرت ہونا ضروری امر ہے، اس کے بغیر تملیک حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا مال صدقہ و ہبہ وغیرہ فقیر کے سامنے رکھنا قدرت علی القبض بلکہ قبض میں داخل ہے۔ بشرطیکہ سامنے رکھنے کے بعد قبض میں کوئی مانع نہ ہو۔ یعنی تخلیہ کامل حاصل ہو۔ اگر سامنے رکھنے کے بعد کوئی قبضہ میں مانع موجود ہو جیسے صندوق وغیرہ میں طعام مقفل (۵۹) کر کے فقیر وغیرہ کے سامنے رکھ دیا جائے تو ایسی صورت میں یہ نہ قبض میں

---

(۵۴) : دینے والا (۵۵) : الدرالمختار، باب الرجوع فى الهبة ۸/۵۱۹] (۵۶) : الدرالمختار، باب الرجوع فى الهبة ۸/۵۱۹] (۵۷) : فتاوى شامى، ۸/ ۴۹۲، ۴۹۳۔ كتاب الهبة] (۵۸) : الدرالمختار، ۸/ ۴۹۳۔ كتاب الهبة] (۵۹): بند۔

داخل ہوگا اور نہ قدرت علی القبض وتخلیہ میں۔ لہٰذا لوگ طعام غیر مقفل (۶۰) یعنی بلا کسی مانع کے مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ مؤذن کو اس طعام کے قبضہ پر قدرت کاملہ اور تخلیہ حاصل ہو۔ یہ امر شرع سے ثابت ہے اور فقہ کی کتابوں میں مسطور ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ ”فلو وهب لرجل ثيابافي صندوق مقفل ودفع اليه الصندوق لم يكن قبضالعدم تمكنه من القبض وان مفتوحاكان قبضا لتمكنه منه فانه كالتخلية فى البيع “(۶۱) اور غایۃ الاوطار میں اس عبارت بالا کا ترجمہ اس طرح ہے کہ: اگر ایک مرد کو صندوق مقفل میں کپڑے ہبہ کیے اور اس صندوق کو اُس کے سامنے کیا تو اس طرح، اُس کے قابض نہ ہونے کے سبب سے، یہ قبضہ نہیں ہوگا، البتہ اگر صندوق کھلا ہو تو قبضہ ثابت ہوگا۔ البتہ سامنے کرنے یا اُس کے حوالے کرنے سے قبضہ پر قادر ہونا بیع میں مانند تخلیہ کے ہے۔ (۶۲) ان عبارات سے ثابت ہوا کہ فقیر کے سامنے صدقہ اور ہبہ کا مال رکھنے سے صدقہ صحیح ہوتا ہے اور یہ فعل جائز ہے نہ کہ ممنوع شرعی۔

سوال : یہاں فقیر یا مؤذن کو جو طعام پختہ بطور صدقہ یا ہبہ دیتے ہیں تو نہ دینے والا یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ مال تجھے صدقہ یا ہبہ کیا اور نہ ہی فقیر یا مؤذن یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ صدقہ یا ہبہ قبول کیا۔ آیا یہ صدقہ یا ہبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب : یہ صدقہ اور ہبہ جو سائل نے ذکر کیا جائز ہے۔ اگر تملیک کے قرائن جیسے صدقہ کرنے والے کا دینا اور مؤذن وغیرہ کا لینا اور قبضہ کرنا موجود ہو، تو کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے چنانچہ شامی میں مسطور ہے کہ:

”وفی خزانة الفتاوى: اذادفع لابنه مالافتصرف فيه الابن يكون للاب الااذادلت دلالة التمليك: بيرى: قلت فقد

---

(۶۰) کھلا ہوا۔ (۶۱) : [الدر المختار، ۸/ ۴۹۲، كتاب الهبة] (۶۲) : غاية الاوطار، ۳/ ۴۹۲، كتاب الهبة، مطبع صدیقی بریلی۔

افادان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیک کمن دفع لفقیر شیئاً و قبضه ولم یتلفظ واحدمنهما بشیء و کذا یقع فی الهدایة "(۶۳)

اور نیز عالمگیری میں ہے کہ" الهبة لاتصح الا بقبولٍ بالقول واستحسن فی صحة الصدقة من غیر قبول بالقول لجریان العادة فی کافة الاعصار بالتصدق علی الفقراء من غیر اظهار هم القبول بالقول کذا فی القنیة:"(۶۴)

یہاں بھی تملیک کے قرائن موجود ہیں اس لئے کہ صدقہ یا ہبہ کرنے والا، فقیر یا مؤذن کو مال صدقہ یا ہبہ دیتا ہے اور فقیر یا مؤذن وغیرہ اُس مال پر قابض ومتصرف ہوتے ہیں۔لہٰذا خیرات کرنے والے کا دینا تملیک کی دلیل ہے اور فقیر یا مؤذن کا قابض ومتصرف ہونا قبول کی دلیل ہے۔چوں کہ اقوال فقہا سے ثابت ہوا کہ طعام صدقہ کو مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھنے سے صدقہ صحیح اور مفیدِ ملک ہوتا ہے،خواہ صدقہ دینے والا اس بھید سے خبردار

(۶۳) : فتاوی شامی،۸/۴۹۰کتاب الهبة[(ترجمہ) خزانۃ الفتاوی میں ہے کہ جب باپ نے اپنے لڑکے کو مال دیا اور لڑکے نے اس مال میں تصرف کیا تو وہ مال باپ کا ہی ہوگا مگر یہ کہ اس میں دلالت تملیک پائی جائے، میں کہوں گا کہ ایجاب وقبول کا تلفظ شرط نہیں ہے، بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کا پایا جانا کافی ہے، جیسے وہ شخص جس نے فقیر کو کچھ دیا اور فقیر نے اس پر قبضہ کرلیا اور دونوں میں سے کوئی کچھ بولا نہیں (تو یہ تملیک پر دال ہے) ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔]

(۶۴) : فتاوی عالگیری،باب فی الصدقة، ۴/۴۰۶،(ترجمہ) ہبہ بغیر قول کے ذریعہ قبول کرنے کے صحیح نہیں ہے،اور بہتر ہے صدقہ کا صحیح ہونا بغیر قول کے ذریعہ قبول کرنے میں پورے زمانہ میں فقراء پر تصدق کرنے اور ان فقراء کا قبول بالقول کے اظہار نہ کرنے کی عادت کے جاری ہونے کی وجہ سے،ایسا ہی قنیہ میں ہے۔]

ہو یا نہ ہو لہٰذا یہ فعل جائز اور مشروع ہوا، نہ کہ شرک و بدعت۔ نیز طحطاوی میں ہے کہ بروایت ابوحفص عکبری وارد ہے کہ:

"عن انس قال یارسول الله صلی الله علیه وسلم انا نتصدق عن موتانا وندعولهم فهل یصل ذالک الیهم فقال نعم انه لیصل لیفرحون به کما یفرح احدکم بالطبق اذاأهدی الیه" (۶۵)

یعنی حضرت انسؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم اپنے موتی کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اُن کے لئے مانگتے ہیں آیا اس کا ثواب موتی کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو رسول اکرم نے فرمایا کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور موتی اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دُعا کو صدقہ پر واو کے ذریعہ عطف کیا اور نتصدق اور ندعوا دونوں بتاویل مفرد ہو کر ضمیر متکلم سے خبر واقع ہیں۔ اور واو کے عطف میں درحقیقت تین احتمال ہیں۔ **ایک** یہ ہے کہ واو کے ماقبل اور مابعد کہ حدیث بالا میں صدقہ اور دُعا ہے، دونوں کے دونوں ایک زمانہ میں جمع ہوں۔ **دوسرا احتمال** یہ ہے کہ واو سے قبل جو یہاں صدقہ ہے پہلے ہو اور واو کے بعد جو دُعا ہے پچھلے زمانہ میں ہو۔ **تیسرا** یہ کہ مابعد واو پہلے اور ماقبل واو کا زمانہ پیچھے ہو۔ چنانچہ "نورالانوار" میں مسطور ہے "اذاقیل جاء نی زید و عمر ویحتمل انها جاء اک معااوتقدم احدهما علی الاخر" (۶۶) یعنی

---

(۶۵) طحطاوی علی مراقی الفلاح: الف: کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۲۲۱، (ب:) عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، ۵۹۹/۲،

(۶۶) : نورالانوار، ۱۱۹، مبحث حروف العطف۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے پاس زید وعمرو آئے تھے، تو اس واؤ کے عطف میں یہ احتمال ہے کہ دونوں ایک زمانے میں آئے ہوں یا ایک پہلے دوسرا بعد میں۔ چونکہ قاعدۂ اصولیہ سے ثابت ہوا کہ واؤ کے استعمال میں تین احتمال ہیں اور حضرت انس ﷺ نے حدیث بالا میں صدقہ اور اور دُعا کے مابین واو کا استعمال کیا اور سرورِ اکرم ﷺ نے حضرت انس ﷺ کو واؤ کے استعمال سے منع نہ فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں حدیث بالا میں واؤ کا کوئی احتمال ان تینوں احتمالوں میں سے ایسا نہیں ہے کہ موہم شرک اور امر ناجائز کا جواز ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو سرورِ اکرم ﷺ حضرت انس ﷺ کو واؤ کے استعمال سے منع فرماتے کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ سرورِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو ایسے موقع پر واؤ کے استعمال سے منع فرمایا کہ جہاں یہ واؤ موہم شرک امر ناجائز کا جواز ہوسکتا تھا۔ چنانچہ بروایت احمد، ابوداؤد حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ سرورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

لاتقولوا ماشاء الله وشاء فلان ولكن قولوا ماشاء الله ثم شاء فلان (۶۷)

ترجمہ: یہ مت کہو کہ جو خدا نے چاہا اور فلاں نے وہ ہوگا۔ (۶۸)

---

(۶۷) :الف: مسنداحمدبن حنبل، ۵/ ۳۹۴،

ب :[ابوداؤد، كتاب الادب باب لايقال خبثت نفسی ،جلد ۲ ص ۲۸۰،

ج :[سنن البيهقی، باب مايستحب قراء ته فی الخطبة، ۳/ ۲۱۶،

(۶۸) :دیابنہ وغیرہ نے اس حدیث پاک اور اس جیسی دوسری احادیث سے استدلال کرتے ہوئے مومنوں کے اس قول کو کہ ''اللہ اور اس کے رسول نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا'' کفروشرک ٹھہرایا ہے۔ (دیوبندی جماعت کے مشہور مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان ص ۷۵: اور مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب سرتاج بہشتی زیور حصہ اول ص ۳۷، ملاحظہ ہو!) حالانکہ یہ سراسر خلاف اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ کتب احادیث وغیرہ میں بیشمار مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ کرام ایسا کہتے تھے اور سرکار نے کبھی بھی ان صحابہ کرام پر کفر یا شرک یا عدم جواز کا حکم نہیں دیا۔ ہاں صرف ان بیدینوں کی بدگمانیوں سے بچنے کے لئے سرکار نے (اور) کی جگہ لفظ (پھر) لگانے کا حکم دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کتاب ''الامن والعلی: اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف ''اطیب البیان فی ردتقویۃ الایمان'' میں موجود ہے۔

وجہ اس ممانعت کی مرقات شرح مشکوٰۃ میں یہ لکھی ہے کہ اس میں خدائے پاک کے ساتھ مشیت میں بندے کو برابر کرنا ہے، اس لئے کہ یہاں واؤ جمع اور اشتراک کے لئے ہے(۶۹) چونکہ حدیث بالا میں سرورِ اکرم ﷺ نے حضرت انس ﷺ کو واؤ کے استعمال کے مابین صدقہ اور دُعا کے لئے منع نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں واؤ کے استعمال میں جتنے احتمالات ہیں وہ سب شرعاً جائز ہیں اور ان میں سے کوئی بھی موہم شرک اور اور امر ناجائز کا جواز نہیں۔ لہٰذا اموات کے لئے پہلے دُعا مانگنا، بعد میں صدقہ دینا یا پہلے صدقہ دینا اور بعد میں دُعا مانگنا یا دونوں کو ایک س تی تھ انجام دینا، یہ سب کے سب جائز ہیں اور اس حدیث بالائے مطابق فقہاء اور عقائد والوں نے بھی دُعا اور صدقہ ہر ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں مسطور ہے کہ

"رجل تصدق عن الميت ودعاله قالوايجوزذالك ويصل الى الميت لماجاء في الاخبار ان الحي اذاتصدق عن الميت بعث الله تعالىٰ تلك الصدقة اليه على طبق من النور"(۷۰)

یعنی اگر کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اور اُس کے لئے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں یہ مسطور ہے کہ:

"رجل تصدق عن الميت ودعاله يجوزويصل الى الميت(۷۱)

---

(۶۹) :مرقاة المفاتيح، كتاب الادب باب الاسامى،۹/۲۸] پوری عبارت اس طرح ہے"لمافيه من التسوية بين الله وبين عباده لان الواو للجمع والاشتراك"]
(۷۰) :فتاوى قاضيخان ملحق بفتاوى عالمگيرى، فصل فى الصدقة ،۳/۲۸۴] (۷۱) :فتاوى عالمگيرى، ۴/۲۰۸]

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دیوے اور اُس کے لئے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔"

نیز شرح عقائد میں مسطور ہے کہ:

"وفی دُعا الاحیاء للاموات وصدقتھم ای صدقة الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای لـلاموات خلافا للمعتزلة"(٧٢)

یعنی زندوں کی دُعا مانگنے میں اموات کے لئے اور زندوں کا صدقہ کرنا اموات کے لئے نفع ہے اور یہ امر مذہب معتزلہ کے خلاف ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ زندوں کی دُعا اور صدقہ اموات کے لئے فائدہ مند ہے، خواہ وہ صدقہ دینے والا اور دُعا کرنے والا ایک شخص ہو یا صدقہ ایک کرے اور دُعا دوسرا۔ لہٰذا اقوال فقہا اور اہل عقائد سے ثابت ہوا کہ صدقہ اور دُعا اموات کے لئے دونوں کا جمع کرنا اور ایک کا مقدم اور دوسرے کا مؤخر کرنا جائز ہے، لہٰذا یہاں کے لوگ بھی کبھی صدقہ پہلے اور دُعا بعد میں اور کبھی اس کے برعکس کرتے ہیں۔

سوال :اگر کوئی شخص کسی مؤذن اور فقیر کے سامنے طعام صدقہ اس طور پر رکھے کہ مؤذن وغیرہ اس مال پر پوری طرح قابض وقادر ہو اور یہ صدقہ کرنے والا اس فعل سامنے رکھنے کو فرض وواجب نہ جانتا ہو بلکہ کبھی مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ کو بہ نیت صدقہ کہتا ہے کہ یہ طعام لو اور فقیر اُس کو لیتا ہو اور کبھی دُعا کبھی صدقے سے پہلے اور کبھی صدقے کے بعد کرتا ہو اور جائز بھی جانتا ہو تو آیا ان عقائد وافعال کے باوجود وہ شخص مشرک وبدعتی ہے یا نہیں؟ اور مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام صدقہ بطور سابق رکھنے سے شرعاً صدقہ صحیح ہوتا ہے

---

(٧٢) :شرح عقائدنسفی ،مبحث دعاء الاحیاء للاموات، صفحہ ١٧١]

یانہیں اور یہ طعام حرام اور کھانے والا حرام خور ہے یانہیں؟ مستندروایات کے ساتھ جواب دواور کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کرو۔اپنی رائے سے اختراع مت کرو۔

سوال۲ : یہ کہ موذن اس طعام صدقہ یا ہبہ شدہ پر ہاتھ اُٹھا کرصدقہ دینے والوں کے لئے دُعامانگتا ہے، آیا یہ بھی جائز ہے یانہیں؟

جواب : اس دُعا میں ہاتھ اُٹھانا چند وجوہ سے جائز اور بہتر ہے :

اوّل۔ یہ کہ موذن وغیرہ کو جوبطور صدقہ طعام پختہ دیتے ہیں، یہ اُن کے ساتھ احسان کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں بروایت احمد وابوداؤد اور نسائی وارد ہے کہ

" ومن صنع اليكم معروفافكافئوه فان لم تجدو اماتكافئوبه فادعواله حتى تروا انكم قد كافئتموه " (۷۳)

یعنی جوکوئی تمہارے ساتھ احسان شرعی کرے اور تم اُس کے احسان کا بدلہ نا پاؤ تو اُس کے لئے یہاں تک دُعا مانگو کہ گمان کرو کہ اُس کے احسان کا بدلہ ہوا۔

اس حدیث سے چند اُمور ثابت ہوئے:

اول: یہ کہ احسان کا بدلہ اگر مال سے نہ ہو سکے تو اس کا بدلہ دُعا سے کرو۔

دوم: یہ کہ اس حد تک دُعا کرو کہ تمہارے گمان میں دُعا سے بدلہ پورا ہو جائے۔

نیز حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے احسان کرنے والوں کے لئے پہلے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی بعد میں کھانا کھانا شروع کیا۔ چنانچہ ابوداؤد میں قیس بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے گھر پر ملاقات کے لئے تشریف لائے اور باہر ٹھہر کر تین مرتبہ سلام

(۷۳) الف: مسنداحمدبن حنبل،۲/۶۸

(ب) سنن ابوداؤد، جلد۱/۲۳۵،باب عطية من سأل بالله عزوجل

(ج): سنن نسائی، ۱/۲۷۶،باب من يسال ولا يعطى

فرمایا اور سعد نے آپ ﷺ کے سلام کا ایسا جواب دیا کہ رسول اکرم نے نہیں سُنا پس رسول اکرم ﷺ نے واپس رجوع فرمایا اور سعد نے آپ کے پیچھے نکل کر یہ عرض کیا

"انی کنت اسمع تسلیمک وارد علیک رداخفیالتکثر علینامن السلام قال فانصرف معه رسول الله صلی الله علیه وسلم وامرله سعد بغسل فاغتسل ثم ناوله ملحفة مصبوغة بزعفران اوورس فاشتمل بهائم رفع رسول الله صلی الله علیه وسلم یدیه وهو یقول اللهم اجعل صلوتک ورحمتک علی ال سعدا بن عبادة قال ثم اصاب رسول الله صلی الله علیه وسلّم من الطعام"(٧٤)

(ترجمہ: سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کا سلام سُنتا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا، اس آرزو کے لئے کہ آپ زیادہ سلام ہم پر فرمادیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس رجوع فرمایا بعدہٗ سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے غسل کا سامان مہیا کرنے کا حکم کیا، پھر رسول اکرم ﷺ نے غسل فرمایا بعدہ سعد رضی اللہ عنہ نے ایک چادر آپ کو جوزعفران یا زرد سے رنگی ہوئی تھی، دی۔ آپ ﷺ نے اُس (چادر) کو بدن مبارک سے لپیٹ لیا، بعدہٗ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ یااللہ اس سعد رضی اللہ عنہ پر مغفرت ورحمت فرما، بعدہ رسول اکرم ﷺ نے کھانا کھانا شروع فرمایا۔

اس حدیث سے چند اُمور ثابت ہوئے بعد احسان کرنے کے احسان کرنے والوں کے لئے

---

(٧٤) الف: سنن ابوداؤد، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستیذان، ٢/٧٠٥

ب: مسند احمد بن حنبل، ٣/٤٢١

دُعا مانگنا- اور اس دُعا میں ہاتھ اُٹھانا اور اس دُعا کے بعد کھانا شروع کرنا، نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضیافت کا طعام کھانے سے قبل یہ دُعا مستحب ہے۔ کیوں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

اگر اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ بوقت دُعا رسول اکرم ﷺ کے سامنے طعام موجود تھا یا نہیں اور نہ کسی مجتہد یا محدث کے قول سے ثابت ہوا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے طعام نہیں تھا، اس لئے حضور ﷺ نے دُعا فرمائی اور اگر طعام سامنے ہوتا تو دُعا نہ فرماتے، بلکہ طعام تناول فرمانے کے بعد دُعا فرماتے۔ بہر صورت یہ دونوں احتمال ہمارے لئے مُضر نہیں اس لئے کہ اگر طعام حاضر ہو اور رسول اکرم ﷺ نے دُعا فرمائی ہو تو ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے اور اگر حاضر نہ ہو، تاہم یہ دُعا احسان کرنے والوں کے لئے سرورِ اکرم ﷺ نے طعام تناول فرمانے سے قبل فرمائی ہے، لہٰذا یہاں موذن وغیرہ کا بھی یہی معمول ہے، بلکہ صحابہ کرام سے یہ امر بکثرت واقع ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کام پر اپنے مسلمان بھائی کا شرعی کام مقدم کیا، جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

"بزرگے را پرسیدم از سیرت اخوان صفا، گفت کمینہ آنکہ مراد خاطر یاران بر مصالح خویش مقدم دارد" (٧٥)

یعنی میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ مخلص دوستوں کی کیا خصلت ہے؟ کہا کہ اُن کی ادنیٰ عادت اور کمتر بات یہ ہے کہ دوستوں کے دل کی مراد کو اپنی مصلحتوں پر مقدم رکھتے ہیں۔

سعدی علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے کہ اپنے بھائی کا کام اپنے کام پر مقدم کرنا اہل صفا کا شیوہ ہے، یہ حدیث کے موافق ہے اس لئے کہ اپنے کام پر اپنے بھائی مسلمان کا کام مقدم کرنے کی وجہ سے مسلمان بھائی کا دل خوش ہوتا ہے اور مسلمان بھائی کی خوشنودی رضائے خداوندی

(٧٥) گلستان سعدی، ص ١٠١

کا موجب ہے، چنانچہ حافظ عبدالعظیم منذری کتاب ترغیب وترہیب میں بروایت طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لقى اخاه المسلم بمايحب ليسره بذلك سره الله عزوجل يوم القيامة رواه الطبرانى فى الصغير باسناد حسن "(۷۶)

یعنی فرمایا نبی کریم نے کہ جس نے مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لئے ایسا کام کیا کہ جس کو وہ دوست رکھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کو قیامت کے دن خوش کرے گا۔

لہٰذا موٗذن وغیرہ اپنا کام جو طعام کا اپنے سامنے سے ہٹانا یا حفاظت کرنا یا کھانا، چھوڑ کر دُعا کی نیت سے ہاتھ اُٹھا کر اپنے احسان کرنے والے کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔ اور طعام اُن کے ہاتھوں کے نیچے رہتا ہے اور بعد اس دُعا کے طعام کھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم نے کیا اور نیز موٗذن وغیرہ نے بخاری ومسلم کی اس روایت کی فضیلت بھی حاصل کی: "من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته" (۷۷) یعنی جو کوئی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لئے سعی کرتا ہے تو اُس کے اور حاجت روائی کے بیچ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

سوال :اس حدیث بالائے ابوداوٗد (۷۸) سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے آلِ سعد کو یہ دُعا فرمائی "اللهم اجعل صلوتك ورحمتك على آلِ سعد" اور لفظ صلوٰۃ کے

---

(۷۶) الف: المعجم الصغير للطبرانى، جلد ۲/۲۸۸ (ب): الترغيب والترهيب جلد ۳/۲۶۰ (۷۷) الف: [صحيح بخارى، ۱/۳۰۳، باب لايظلم المسلم المسلم ولايسلمه، (ب): صحيح مسلم، ۲/۳۲۰ باب تحريم الظلم، (ج): صحيح ابن حبان، فصل من البروالاحسان، ۳/۵۹، (د): سنن ابوداؤد، باب المواخاة، ۲/۶۷۰، (ه): سنن ترمذى، باب ماجاء به النبى صلى الله عليه وسلم، ۱/۲۶۳، **(۷۸)**: حدیثِ ابو۔۔۔۔) جو صفحہ ۲۵ پر گزری]

ساتھ بلا متابعت نبی صرف غیر کے واسطے دُعا کرنا رسول اکرم کے ساتھ مختص ہے تو یہاں مؤذن وغیرہ ایسی دُعا اپنے احسان کرنے والوں کے لئے کیسے مانگیں گے؟

جواب: اگر فرض کرلیا جائے کہ لفظ صلوٰۃ کے ساتھ غیر کے لئے بلا متابعت نبی دُعا مانگنا جائز نہ ہو، اور ایسی دُعا نبی کریم کے ساتھ مختص ہو، تاہم کوئی مضائقہ نہیں اور یہ حدیث ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں۔ اس لئے کہ رسول اکرم نے صرف صلوٰۃ کے ساتھ آلِ سعد کے لئے دُعا نہیں فرمائی بلکہ لفظ صلوٰۃ لفظ رحمت بھی ملایا اور لفظ رحمت کے ساتھ غیر نبی کے لئے دعا مانگنا رسول اکرم کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ ہر مومن ایسی دعا کرسکتا ہے۔ لہٰذا جو لفظ کہ دعا مانگنے کے وقت رسول اکرم کے ساتھ مختص ہے اس لفظ کو چھوڑنا چاہئے۔ اور غیر مختص کے ساتھ جو لفظ رحمت ہے دعا مانگنی چاہئے۔ جیسے صومٔ وصال میں کہ رسول اکرم کے ساتھ وصال مختص ہے نہ صوم تو وصال کو چھوڑنا چاہئے۔ اور صوم کو جو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مختص نہیں ہے اس کے رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

سوال: آپ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت فاتحہ مرجہ اگر مؤذن کے سامنے طعامِ صدقہ رکھا جائے تو یہ جائز ہے اور جانب مخالف اپنی اتباع السنّت صفحہ ۱۱ میں بیان کرتا ہے کہ:

> ''دعا آنجناب دعائے زیادتی ہے کہ نقصان قلت مقدار جاتا رہے یعنی اصلاح طعام اور تکمیل مقصود ہے پس آنجناب سامنے رکھ کر اس کا ازالہ فساد ونقصان فرماتے ہیں۔ آپ کا فعل دور کرنے والا نقصان اور پیدا کرنے والا زیادتی وخوبی کا ہوا۔ فاتحہ مرجہ میں سامنے رکھ کر دعا کرنا موجب ازدیاد نقصان ہے اور باعث فسادنیت خورندگان کیوں کہ سامنے رکھنے سے طعام ٹھنڈا ہوگا اور خراب اور نیت فاتحہ خوان کی متوجہ طرف کھانے کے ہوگی نہ طرف دعا، ایصال مفسد کو مصلح پر قیاس کرنا بدعتی مفسد کا کام ہے۔''

جواب: مولانا صاحب نے مخزن الفیوض یعنی رسالہ ''دعائے برکت'' میں فاتحہ مرجہ کو ہرگز

دعائے برکت رسول اکرم پر قیاس نہیں فرمایا۔ بلکہ فاتحہ مروجہ کو مستقل دلائل سے ثابت کیا ہے چنانچہ صفحہ ۲۰، ۱۷، حاشیہ اتباع السنۃ میں جو "دعائے برکت" سے نقل کیا ہے دیکھنا چاہئے۔ لہٰذا یہ اعتراض جناب مولانا صاحب پر ہرگز وارد نہیں ہوا اور مؤذن وغیرہ اگر تین چار منٹ فاتحہ میں صرف کریں تو اتنی دیر میں طعام نہ نقصان پذیر ہوتا ہے نہ سڑ جاتا ہے اور اگر اتنی دیر میں طعام ٹھنڈا بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ٹھنڈے طعام میں برکت ہے نہ کہ گرم میں۔ اس لئے کہ امام محمد کی جامع صغیر سے منقول ہے کہ "**ابردوا الطعام فان الحار لا برکۃ فیہ**" (۷۹) یعنی طعام کو ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔ اس لئے کہ گرم طعام میں برکت نہیں ہے۔ اور طحطاوی میں مسطور ہے "**عن ابی یوسف ولا یاکل الطعام حار او لا یشمہ**" (۸۰) یعنی ابو یوسف سے مروی ہے کہ طعام گرم نہ کھاوے اور نہ سونگھے۔ نیز عالمگیری میں مسطور ہے "**ولا یؤکل طعام حار ولا یشم**" (۸۱) یعنی گرم طعام نہ کھایا جائے اور نہ سونگھا جائے۔ اور "شامی" میں مسطور ہے "**ولا یاکل الطعام حار او لا یشمہ**" (۸۲) اور "بیہقی" سے مروی ہے کہ "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن الطعام الحار حتیٰ یبرد**" (۸۳) یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم طعام

---

(۷۹): امام محمد کی جامع صغیر کے جو نسخے ہمیں دستیاب ہوئے ان میں یہ حدیث پاک نظر نہ آئی البتہ درج ذیل کتابوں میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔
(الف): الجامع الصغیر للسیوطی، ۱/ ۳۵۹، **(ب)**: الدرر المشتہرہ فی الاحادیث المشتہرۃ جلد ۱/ ۴، **(ج)**: فیض القدیر، ۱/ ۱۰۱، رقم، ۵۰ **(د)**: کنز العمال، الاکمال من آداب الاکل، ۱۵/ ۲۶۷ **(ہ)**: المعجم الاوسط للطبرانی، ۶/ ۲۰۹، **(و)**: المستدرک للحاکم، ۴/ Q۳۲،
(۸۰): طحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۴/ ۱۷۱،
(۸۱): فتاوی عالمگیری، باب فی الکراہۃ فی الاکل ومایتصل بہ، جلد، ۵/ ۳۳۷، **(۸۲)**: فتاوی شامی، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۹ ص ۴۹۱،
(۸۳): شعب الایمان للبیہقی، جلد ۱۲/ ۳۹۴،

کھانے سے منع فرمایا۔اب بتاؤ کہ گرم طعام کھانا مفسد کا کام ہے یا مصلح کا؟

سوال: جانب مخالف نے صفحہ۱۵ کتاب اتباع السنتہ میں تحریر کیا ہے کہ

''بروقت حضور طعام فاتحہ (یعنی الحمد اور قل وغیرہما) پڑھنا درست نہیں ہے۔مسلم شریف میں موجود ہے''**لا صلوۃ بحضرۃ الطعام**'' جب بحضور طعام نماز ممنوع ہے تو الحمد بدرجہ اولی ممنوع ہوئی نیز صلوۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ بروقت حاضر ہونے طعام کے دعا درست نہیں ہے۔فاتحہ مروجہ کی ممانعت صریح حدیث میں موجود ہے۔''

اور نیز جانب مخالف نے صفحہ ۲۵ کتب اتباع السنتہ میں یہ تحریر کیا ہے

''**لا صلوۃ الا بحضور القلب**'' رسول اکرم سے مروی ہے اور نیز سابق میں معلوم ہوا کہ لفظ صلوۃ دعا کو شامل ہے اور طعام سامنے ہونے میں خشوع فوت ہوتا ہے۔کیوں کہ دل ملانوں کا کھانے میں پڑا ہوتا ہے (آپکو ایسا ہوتا ہوگا) پس دل اس کا غافل ہے (**المرء یقیس علی نفسہ**) اور دعا قلب غافل کی مقبول نہیں ہوتی۔''

جواب: جانب مخالف کے جمیع اقوال بالا غلط ہیں اس لئے کہ اس کا اول قول یہ ہے کہ جب بحضور طعام نماز ممنوع ہوئی تو الحمد وغیرہ بطریق اولی ممنوع ہوگی اب جانب مخالف سے یہ استفسار ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں نماز ممنوع ہو وہاں دعا بدرجہ اولی ممنوع ہوگی تو صلوۃ بغیر وضو ممنوع ہے اور صلوۃ کو بغیر وضو جائز کہنے والا کافر ہے تو بموجب آپکے قاعدہ کے دعا بھی ایسی ہی ہوگی کہ بغیر وضو ممنوع اور بغیر وضو دعا کو جائز کہنے والا کافر ہوگا۔اور یہ بالکل غلط خلافِ شرع ہے شاید کہ یہ قاعدہ کسی نیچری نے اختراع کیا ہو۔اور نیز بخاری و مسلم میں وارد ہے ''**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**''(۸۴) چونکہ بموجب اس حدیث کے نماز

---

(۸۴): ترجمہ:۔ جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

(الف) صحیح بخاری، جلد۱/۱۰۴ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم،

ب: صحیح مسلم،۱/۱۶۹، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ،

بغیر الحمد ممنوع ہوئی تو بنا بر قاعدۂ جانب مخالف دعا بطریق اولی بغیر الحمد شریف کے ممنوع ہوگی اگر جانب مخالف کہے کہ میرا یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ خاص طعام کے حاضر ہونے کے وقت یہ حکم ہے کہ دعا مانند صلوۃ ممنوع ہے۔ نہ ہر جگہ تو بنا بریں تقدیر جانب مخالف کو لازم ہے کہ بسند کتب معتبرہ ثابت کرے کہ حدیث ہائے گذشتہ کی وجہ سے بوقت حضور طعام جیسے نماز کی ممانعت ہے ویسے ہی دعا کی بھی ممانعت ہے نہ ہر جگہ تا کہ وہ سند ہم بھی دیکھ کر اگر قابل عمل ہو اس پر عمل کریں۔

جانب مخالف کا قولِ دوم بھی غلط ہے اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ صلوۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دعا درست نہیں ہے اب ان سے یہ استفسار ہے چونکہ صلوۃ کا اطلاق دعا پر شائع ہوا آیا اس شائع ہونے کے سبب سے ہر جگہ صلوۃ سے دعا مراد ہوگی یا نہیں۔ اگر ہر جگہ بموجب آپ کے قاعدہ کے صلوۃ سے دعا مراد ہو تو "اذا قمتم الی الصلوۃ الخ کے بموجب دعا کے لئے وضو فرض ہوگا اور بموجب حدیث "لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کے الحمد شریف دعا میں واجب ہوگی اگر جانب مخالف یہ کہے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت صلوۃ جو حدیث مسلم اور "لا صلوۃ الا بحضور القلب" (۸۵) میں وارد ہے بمعنی دعا ہے نہ ہر جگہ تو جانب مخالف کو لازم ہے کہ بسند کتب معتبرہ ثابت کرے کہ ان حدیثوں میں صلوۃ سے طعام کے حاضر ہونے کی وقت کی دعا مراد ہے اور جانب مخالف یہ بھی کہے کہ صلوۃ جو آیت میں او "لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" میں وارد ہے بالا جماع اس سے نماز مراد ہے لہٰذا یہاں صلوۃ سے دعا مراد لینا خلاف اجماع ہے اور خلاف اجماع گمراہی ہے تو ہم بھی

(۸۵): المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، ۱/ ۴۰،
ترجمہ: حضور قلب کے بغیر نماز نہیں۔

کہہ سکتے ہیں کہ حدیثہائے بالا میں یعنی ''لا صلاۃ بحضرۃ الطعام'' (٨٦) اور ''لا صلوۃ بحضور القلب'' میں صلوۃ سے دعا مراد لینا خلاف اجماع اور گمراہی ہے۔ اس لئے کہ ان حدیثوں کو کسی محدث نے باب دعا میں ذکر نہیں کیا۔ اگر صلوۃ سے دعا مراد ہوتی تو کوئی محدث ان حدیثوں کو ضرور باب دعا میں ذکر کر کے ان سے دعا مراد لیتا۔ اور چونکہ کسی فقیہ، مجتہد اور محدث نے ایسا نہیں کیا تو صلوۃ سے دعا مراد لینا خلاف اجماع ہوا۔ اور اجماع کا مخالف آپ کے نزدیک بھی گمراہ ہے اب جانب مخالف سے یہ سوال ہے کہ اگر کسی مجتہد یا فقیہ یا محدث یا شارحین حدیث میں سے ان دونوں حدیثوں یعنی ''لا صلوۃ بحضرۃ الطعام'' اور ''ولا صلوۃ الا بحضور القلب'' میں صلوۃ سے دعا مراد لیا ہو تو بسند کتب معتبرہ دکھاؤ۔

دوسری وجہ فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے کی یہ ہے کہ یہاں مؤذن وغیرہ اموات کے لئے دعا مانگتے ہیں اور ایسی دعا میں رسول اکرم نے ہاتھ اٹھائے ہیں چنانچہ بروایت نسائی قیس بن مخرمہ سے روایت وارد ہے کہ حضرت عائشہ ﷝ فرماتی ہیں کہ ایک رات جو رسول اکرم ﷺ کی باری میرے یہاں تھی تو وہ دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے اور میں ان کے پیچھے نکلی یہاں تک کہ بقیع میں آئے اور دونوں ہاتھ تین مرتبہ اٹھا کر اموات کے لئے دعا فرمائی اور وہ حدیث یہ ہے ''حتی جاء البقیع فرفع یدیه ثلث مرات فاطال'' اور اس حدیث کے اخیر میں سرور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل میرے پاس آئے اور مجھ کو حکم کیا کہ میں بقیع میں جاؤں اور طلب مغفرت کروں اموات کے لئے اور وہ یہ ہے ''فامرنی ان اتی البقیع فاستغفر لهم'' (٨٧) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے مقبرہ میں ہاتھ اٹھا کر اموات کے لئے دعا فرمائی اور نیز

---

(٨٦) ترجمہ: کھانا حاضر ہونے کے وقت نماز نہیں ہے۔ **(الف)**: صحیح مسلم، ٢٠٨/١ باب کراہة الصلاۃ بحضرۃ الطعام، **(ب)**: [سنن البیهقی الکبری ٣/٧٣،

(٨٧): سنن نسائی، جلد ٢٢٢/١، الامر باستغفار للمؤمنین]

سرور کائنات ﷺ نے قبرستان کے سوا اور جگہ بھی ایسی ہی دعا فرمائی ہے چنانچہ بخاری میں وارد ہے کہ

"عن ابی موسیٰ قال دعا النبی صلی اللہ علیه وسلم بماء فتوضأ ثم رفع یدیه فقال اللهم اغفر لعبید ابی عامر ورایت بیاض ابطیه" (۸۸)

سرور اکرم ﷺ نے حضرت عبید ابی عامر کے انتقال کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کے واسطے وضو کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

لہٰذا یہاں بھی مؤذن دعائے مغفرت اموات میں ہاتھ اٹھاتا ہے اور اگر وضو کر کے دعا کرے جیسا کہ ہوتا بھی ہے تو بہتر ہے۔

تیسری وجہ واسطے استحباب ہاتھ اٹھانے مؤذن وغیرہ کے فاتحہ مروجہ میں یہ ہے کہ یہاں رحمت اور جنت طلب کرتے ہیں۔ اور ایسی دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اکرم کی سنت ہے چنانچہ بخاری میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر وقت یعنی مرض الموت میں دعائے مغفرت ورحمت کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ مجھ کو عالم بالا سے ملا۔ اور وہ روایت یہ ہے "ثم نصب یدیه فجعل یقول فی الرفیق الاعلی" (۸۹) اور دوسری روایت میں یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہا انھوں نے کہ بوقت تکیہ لگانے رسول اکرم کے میری طرف (یعنی بوقت مرض الموت) سنا میں نے ان سے کہ فرماتے ہیں کہ اے بارخدایا مجھ کو بخش اور مجھ کو عالم بالا سے ملا اور وہ روایت یہ ہے

---

(۸۸): الف: صحیح بخاری، جلد ۲/ ۹۴۴، باب الوضوء عند الدعاء،
ب: صحیح مسلم، ۲/ ۳۰۳، باب من فضائل ابی موسیٰ وابی عامر...،
(۸۹): صحیح بخاری، جلد ۲/ ۹۲۴، باب سکرات الموت،

"قالت سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو مستند الیّ یقول اللّهم اغفر لی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلے "(۹۰)اور تیسری روایت میں وارد ہے" کانت تلک آخر کلمة تکلم بها اللّهم الرفیق الا علے "(۹۱)یعنی رسول اکرم کا آخری کلمہ (تھا۔اوراس کے بعد سرور اکرم ﷺ نے گفتگو نہیں فرمائی ۔اب روایت اول سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور دوسری روایت سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کی یہ دعا مغفرت اور رحمت اور عالم بالا سے ملنے کے لئے تھی۔اور تیسری روایت سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات کی یہ آخری گفتگو تھی کہ اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے گفتگو نہیں فرمائی ۔اب معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھانا بوقت دعائے مغفرت و رحمت جو دعائے رغبت میں داخل ہے چونکہ ان دونوں وجہوں سے ثابت ہوا کہ اموات وغیرہ کے لئے دعائے مغفرت و رحمت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے لہٰذا مؤذن وغیرہ فاتحہ مرجبہ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں اور بدعتیوں کے زمرہ سے اپنے آپ کو خارج کرتے ہیں ۔

وجہ چہارم ،فاتحہ مرجبہ مین مؤذن کے ہاتھ اٹھانے کے باب میں یہ ہے کہ یہاں مؤذن وغیرہ جو دعا کرتے ہیں وہ دعائے رغبت میں داخل ہے۔اس لئے کہ یہ لوگ اپنی دعا میں جنت اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور خداوند کریم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس فاتحہ اور صدقہ کا ثواب اموات کو پہنچا اور یہ امور سب مرغوب فیہا ہیں اور ان کا حصول اور وجود مرکوز خاطر ہے اور امور مرغوب فیہا کی طلب کا نام دعائے رغبت ہے چنانچہ "طحطاوی" میں مسطور ہے "قوله دعاء رغبة ای بمرغوب فیه کسوال الجنة"(۹۲)اور

---

(۹۰): صحیح بخاری، جلد ۲/ ۸۴۷،باب نهی تمنی المریض الموت،
(۹۱): صحیح بخاری ،جلد ۲/ ۶۴۱،باب آخر ماتکلم النبی صلی اللہ علیه وسلم،(۹۲):طحطاوی علی الدرالمختار ،باب صفة الصلاة جلد ۱/ ۳۴۸،(ترجمہ) دعاء رغبت جس میں مرغوب شیء مانگی جائے جیسے جنت مانگنا]

شامی میں مسطور ہے ''دعاء رغبة نحو طلب الجنة ''(۹۳) چونکہ یہاں مؤذن وغیرہ کی دعا اور سوال امر مرغوب فیہ کے لئے ہے۔اور بوقت سوال اور دعا امر مرغوب فیہ کے ہاتھ اٹھانا مستحب اور ابراہیم خلیل اللہ کی سنت چنانچہ ''بخاری'' میں بروایت ابن عباس وارد ہے اس وقت کہ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسمٰعیل کو چھوڑ کر چلے اور ثنیہ میں پہنچے اور ان دونوں سے غائب ہوئے تو قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور وہ یہ ہے

''فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهولاء الدعوات ورفع يديه فقال ربنا انى اسكنت من ذريتى بوادٍ غير ذى زرع عند بيتك المحرم ،حتے بلغ، يشكرون ''(۹۴)

اور آیت یہ ہے

''ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلوة فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرٰت لعلهم يشكرون (۹۵)

اب اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس چیز کے لئے دعا کی وہ سب امر مرغوب فیہ ہے اور حصول اور وجود اس کا مرکوز خاطر تھا۔اب اس حدیث سے یہ

---

(۹۳):[فتاوی شامی، باب صفة الصلاة ،جلد ۲/۲۱۶،ترجمہ، دعا، رغبت جیسے جنت مانگنا] (۹۴):الف :صحیح بخاری، باب یزفون النسلان فی المشی،۱/۴۷۵،ب: سنن البیہقی الکبری،۵/۹۸:باب فی بدء السعی بین الصفا والمروة،اس کتاب میں ''ثنیہ'' کی بجائے'' البیت'' ہے۔

(۹۵): ترجمہ:۔اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے رحمت والے گھر کے پاس اے میرے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں۔[پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۷،ترجمہ کنزالایمان]

ثابت ہوا کہ بوقت دعائے رغبت ہاتھ اٹھانا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے۔

سوال : بلا شک اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت دعائے رغبت ہاتھ اٹھا کر قبلہ رخ ہونا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے مگر انبیائے سابقہ کی شریعت منسوخ ہے تو اس پر ہمارا عمل کرنا کیوں جائز ہوگا؟

جواب : رسول اکرم ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ اٹھانا اس دعائے رغبت کے وقت میں ذکر فرما کر اس فعل سے ان کا رد نہیں فرمایا تو یہ ہماری شریعت اور ہمارے رسول اکرم ﷺ کی سنت ہوئی اور اس پر عمل کرنا گویا رسول اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں مسطور ہے "اما شرائع من تبلنا فملحقة بالكتاب و السنة" (۹۶) اور حاشیہ پر ہے "فهي على الاول ملحقة بالكتاب وعلى الثاني با لسنة" (۹۷) اور خلاصہ معنی ان عبارتوں کے یہ ہیں کہ ماقبل کے پیغمبروں کی شریعتوں کے مسائل اگر کتاب اللہ میں آئیں تو کلام اللہ سے شمار کئے جائیں گے، اور اگر سنت رسول اللہ میں آئیں تو سنت سرور اکرم ﷺ میں داخل ہیں۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ حنفیوں کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے شرع کی پیروی ہم پر لازم ہے بشرطیکہ خدا اور رسول ان شرائع سابقہ کو بلا انکار بیان فرمائیں جیسا کہ یہاں موجود ہے مگر فرق ان دونوں فرقوں میں یہ ہے کہ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ انبیاء سابق کی شرع پر عمل بشرط عدم نسخ بدیں طور ہم پر لازم ہے کہ انبیاء سابق کی شرائع ان کی شرائع سمجھ کر ان پر عمل کریں چنانچہ "غاية التحقيق" "شرح حسامی" میں مسطور ہے

"فذهب كثير من اصحابنا و عامة اصحاب الشافعي و طائفة من المتكلمين الى انه عليه السلام كان متعبد

---

(۹۶): نور الانوار، صفحہ ۹، مبحث تقسیم اصول الشرع، مکتبہ فاروقیہ دہلی۔

(۹۷): نور الانوار، صفحہ ۹، مبحث تقسیم اصول الشرع، مکتبہ فاروقیہ دہلی۔

الشرائع من قبلنا من الانبياء و ان كل شريعته تثبت لنبى فهى با قية فى حق من بعده على قيام الساعة الا ان يقوم الدليل علے الا نتساخ وعلے هذايلزمنا شريعة من قبلنا علے انها شريعة ذالک النبى عليه السلام الاان يثبت نسخها" (۹۸)

اور فرقہ دوم یہ کہتا ہے کہ شرائع انبیاء سابقہ کی پیروی ہم پر بدیں طور لازم ہے کہ انبیاء سابقہ کی شرائع ہم اپنے نبی کی شرع میں داخل سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں چنانچہ "غایۃ التحقیق" شرح حسامی میں مسطور ہے:

"و ذهب اكثر مشا ئخنا رحمهم الله منهم الشيخ ابو منصور و القاضى الامام ابو زيد والشيخان شمس الائمة و فخر الاسلام و عامة المتاخرين الى ان ما ثبت بكتاب الله تعالى و انه كان من شريعته من قبلنا او بيان من الرسول يلزمنا العمل علے انه شريعة نبينا مالم يظهر نا سخه "(۹۹)

---

(۹۸): کتاب التحقیق المعروف بغایۃ التحقیق، لعبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری، ص۲۰۱، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ] **ترجمہ**: اکثر احناف اور عام شوافع اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کی جانب گئے ہیں کہ آقا علیہ السلام اگلے انبیاء کی شریعتوں پر عمل کرنے والے تھے اور ہر وہ شریعت جو کسی نبی کے لئے ثابت ہو تو وہ باقی رہتی ہے بعد والوں کے حق میں قیامت تک مگر یہ کہ اس کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ اور اسی بنیاد پر ہمارے لئے اگلوں کی شریعت لازم ہے اس طور پر کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے مگر یہ کہ اس کا نسخ ثابت ہو جائے۔ **(۹۹)**: کتاب التحقیق المعروف بغایۃ التحقیق، ص۲۰۱، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ] **ترجمہ** شیخ ابو منصور اور قاضی امام ابو زید اور شیخ شمس الائمہ اور شیخ فخر الاسلام ہمارے اکثر مشائخ اور عام علماء متاخرین اس بات کی جانب گئے ہیں کہ جو کتاب اللہ سے ثابت ہے اور وہ اگلوں کی شریعت سے ہے یا بیان رسول سے ثابت ہے تو ہمارے لئے اس پر اس طور پر عمل لازم ہے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت ہے جب تک کہ اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو۔

اور اس فرقہ دوم کا مذہب مختار اور صحیح ہے۔ چنانچہ ''مسلم الثبوت'' میں مسطور ہے اور اس کی عبارت مع شرح مولانا عبد العلی (علیہ الرحمۃ) وضاحت کے لئے نقل کرتا ہوں

''المختار انه صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وسلم بعد البعث ونحن معشر الامة متعبدون بشرع من قبلنا ويجب علينا العمل به مالم يظهر ناسخ لكن على انه شرع نبينا الاعلى انه شرع نبى اخر وعليه جمهور الحنفية والمالكية والشافعية الخ''(۱۰۰)

اور نیز ''نور الانوار'' میں مسطور ہے۔

''والمختار هوما ذكره المصنف عليه الرحمة بقوله وشرائع من قبلنا تلزمنا اذا قص الله و رسوله من غير انكار فانه اذا لم يقص الله علينا بل وجدت فى التورة والانجيل فقط لا تلزمنا لانهم حرفوا التورة والانجيل كثيرا وادرجوا فيهما احكاما بهواء انفسهم فلم يتيقن انها من عند الله تعالىٰ وكذا اذا قص الله علينا ثم انكر علينا بعد نقل القصة صريحا بان لا تفعلوا مثل ذالك او دلالة بان ذالك كان جزاء ظلمهم فح يحرم علينا العمل به و هذا اصل كبير لابى حنيفة يتفرع عليه اكثر الاحكام الفقهية''

---

(۱۰۰): فواتح الرحموت، فصل فى بيان حكم افعاله صلى الله عليه واٰله واصحابه وسلم، ۱۸۴] (**ترجمہ**: پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اور ہم امتی شرائع سابقہ پر عمل کرنے والے ہیں اور جب تک کہ اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو ہمیں اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس طور پر کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت ہے نہ کہ اس طور پر کہ وہ دوسرے نبی کی شریعت ہے۔ اور یہی موقف جمہور حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ کا ہے..الخ

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

”ثم هذه الشرائع التی تلزمنا انما تلزمنا علی انه شریعة لرسولنا علیه السلام لا علی انها شرائع للانبیاء السابقة“ (۱۰۱)

اور نیز ”حسامی“ میں مسطور ہے

”ومما یتصل بسنة نبینا شرائع من قبله والقول الصحیح فیه ان ماقص الله تعالی اورسول منها من غیر انکار یلزمنا علی انه شریعة لرسولنا“ (۱۰۲)

---

(۱۰۱): نور الانوار، صفحہ ۲۲۰، مبحث افعال النبی صلی الله علیه وسلم،
(اور مذہب مختار وہ ہے جو مصنف علیہ الرحمہ نے بیان کیا اپنے قول ”وشرائع من قبلنا الخ“
ترجمہ: (اور شرائع سابقہ ہمارے لئے لازم ہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کئے ان کو بیان کریں) کیوں کہ جب اللہ نے ہمارے لئے بیان نہیں کیا بلکہ صرف توراۃ اور انجیل میں پایا گیا تو وہ ہمارے لئے لازم نہیں ہے اس لئے کہ یہود و نصاریٰ نے اس میں بہت تحریف کی ہے اور اس میں اپنی خواہش کے مطابق بہت سے احکام داخل کئے ہیں اس لئے یقین نہیں ہے وہ اللہ کے پاس سے ہے اور ایسے ہی جب اللہ نے بیان کیا ہمارے لئے اور بیان کرنے کے بعد انکار کیا صراحتاً بایں طور کہ تم ایسا نہ کرو یا دلالۃ انکار کیا اس طرح کہ وہ ان کے ظلم کی جزا ہے تو اس وقت ہمارے لئے اس پر عمل حرام ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کا ایک بڑا قانون ہے جس پر بہت سے فقہی احکام متفرع ہوتے ہیں۔ (آگے چل کر) پھر یہ احکام جو ہمارے لئے لازم ہیں وہ صرف اسی لئے لازم ہیں کہ وہ ہمارے رسول علیہ السلام کی شریعت ہے نہ کہ اگلے نبیوں کی شریعتوں کے طور پر۔

(۱۰۲): حسامی، بحث السنة، ۹۲، **ترجمہ**: (اوراگلی شریعتیں جو ہمارے نبی کی سنت سے لاحق ہوں قول صحیح اس میں یہ ہے کہ ان میں سے جو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام نے بغیر انکار کے بیان کیا تو اس پر عمل ہمارے لئے بایں طور لازم ہے کہ وہ ہمارے رسول علیہ السلام کی شریعت ہے۔)

اب بنابراس مذہب کے اصول شرع چار ہیں نہ زیادہ۔ اس لئے کہ سابق شرائع کا بیان اگر کتاب اللہ میں آئے تو کتاب اللہ میں داخل ہے اور اگر سنت رسول اللہ میں آئے تو سنت رسول اللہ سے سمجھا جائے گا تو اس بنا پر ہاتھ اٹھانا حضرت خلیل اللہ کا رسول اکرم کی سنت میں داخل ہوا اور نیز بروایت احمد و ترمذی وارد ہے کہ رسول اکرم نے قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی ہے

"فاستقبل القبلة ورفع يديه وقال اللهم زدنا ولا تنقصنا واكرمنا ولا تهنا واعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا" (۱۰۳)

(ترجمہ: پس روئے آورد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ راو برداشت ہر دو دست خود را وگفت زیادہ گردان مرا نعمت ہائے دنیا وآخرت وکم مگردان وگرامی دار مارا و اہانت مکن مارا و بدہ مار خیر دنیا وآخرت ومحروم مگردان وبرگزیں مارا بر اعدائے دین وبرنگزیں بر ما ایشاں را و راضی گردان مارا از خود و راضی شو از ما کذافی مظاہر الحق ۱۲) (۱۰۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم نے اس دعا میں جتنے امور طلب کئے وہ سب مرغوب فیہا ہیں اور طحطاوی وغیرہ سے ثابت ہوا ہے کہ طلب امور مرغوب فیہا دعائے رغبت ہے لہٰذا یہ دعا دعائے رغبت ہوئی اور رسول اکرم نے قبلہ رخ ہو کر یہ دعا کی ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ

---

(۱۰۳) الف: مسند احمد بن حنبل، جلد ۱/۳۴، **ب**: سنن ترمذی، ابواب التفسیر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ۲/۱۵۰، **(۱۰۴)**: اشعة اللمعات جلد ۲/۲۹۷، باب جامع الدعاء، مطبع مکتبه نوریه رضویه پاکستان] ترجمہ:۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کو رخ فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کیا یا اللہ ہمارے لئے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کو زیادہ فرما کم مت فرما، اور ہمیں عزت دے رسوا مت فرما، اور ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی دے محروم مت فرما، اور ہم کو اعدائے دین پر غلبہ عطا فرما اور انہیں ہم پر غالب نہ فرما، ہم کو راضی فرم□□ اور ہم سے راضی ہوجا)، مظاہر حق کتاب الدعوات باب جامع الدعاء ۲/۳۳۰،

نے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعائے رغبت مانگی تھی۔ اور نیز دعائے رغبت کے وقت میں ہاتھ اٹھانا رسول اکرم کا فعل ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا اور علی رضی اللہ عنہ کا سفر سے بصحت وسلامتی واپس آنا جو مرغوب فیہ اور مرکوز خاطر تھا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ "اے بار خدایا میری زندگانی یہاں تک قائم رکھ کہ تو مجھ کو علی دکھادے۔" چنانچہ بروایت "ترمذی" ام عطیہ سے وارد ہے

"قالت بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیشافیھم علی
قالت فسمعت قسمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وھورافع یدیہ یقول اللھم لا تمتنی حتیٰ ترینی علیا"(۱۰۵)

اور "لمعات" میں اس حدیث کے تحت مسطور ہے:

"وفیہ الدعاء لمن غاب حبیبہ بالرجوع سالما"(۱۰۶)

اس حدیث اور لمعات کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اپنے حبیب کا ملنا اور اس کا صحت وسلامتی سے واپس آنا جو امر مرغوب فیہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور نیز "تکملۂ بحر الرائق" میں مسطور ہے کہ دعائے رغبت میں دعا مانگنے والا دونوں ہتھیلیوں کا سیدھا رخ آسمان کی طرف کرے وہ عبارت یہ ہے:

"ففی دعاء الرغبۃ یجعل بطون کفیہ الی السماء"(۱۰۷)

اور "عالمگیری" میں یہی مسطور ہے

"فی دعاء الرغبۃیجعل بطون کفیہ نحو السماء"(۱۰۸)

---

(۱۰۵): سنن ترمذی ابواب المناقب ۲/ ۲۱۴، **(۱۰۶)**: ترجمہ: اس میں اپنے بچھڑے ہوئے دوست کے بخیر وعافیت واپس آنے کی دعاء ہے۔ لمعات کی مذکورہ بالا عبارت مشکوۃ مناقب علی بن ابی طالب جلد۲/۵۶۴، کے حاشیہ ۱۳، پر ہے] لمعات یہ شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ کی مشکوۃ کی عربی شرح ہے۔ کئی مقامات پر معلومات کی لیکن دستیاب نہ ہو سکی۔ ایک دو جگہ ہے بھی تو وہاں ابتدائی جلدیں ہیں جن میں یہ حوالہ موجود نہیں۔

اور ''درمختار'' میں مسطور ہے

''دعاء رغبة يفعل كما مر''(۱۰۹)

اور ''شامی'' نے کمامر کی تفسیر یہ کی

''ان يبسط يديه نحو السماء''(۱۱۰)

یعنی دعائے رغبت میں دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا دے۔

سوال : یہاں مؤذن وغیرہ یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ ''یااللہ! دوزخ اور اس کے عذاب سے نجات دے'' اور فقہا ایسی دعا کو دعائے رہبت کہتے ہیں۔ لہٰذا مؤذن وغیرہ کی دعا، دعائے رہبت میں داخل ہونی چاہیے نہ کہ دعائے رغبت میں؟

جواب : بالفرض اگر مؤذن وغیرہ کی دعا دعائے رہبت میں داخل ہوتا ہم ہمارے مقصود کے لئے مضر نہیں ہے۔ اس لئے کہ دعائے رہبت میں ہاتھ اٹھانا سب کتب فقہ سے ثابت ہے مگر بعض فقہا کا قول یہ ہے کہ دعائے رہبت میں ہاتھ اٹھانے کے وقت ہتھیلیوں کا الٹا رخ منھ کی طرف کرے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب نے ''ترجمہ مشکوۃ'' میں ''فاسئلوه ببطون اکفکم'' کے تحت لکھا ہے:

''وبعضے گفتہ اند کہ چوں دعا برائے طلب چیزے باشد از جہت جنس نعماء
مستحب است کہ بطون کف بجانب آسمان کند و اگر برائے دفع فتنہ کند
پشتہائے دست بجانب آسمان کند''(۱۱۱)

---

(۱۰۷): تکملہ بحرالرائق، کتاب الکراہیة، فصل فی البیع،۹/ ۳۷۹،

(۱۰۸) : عالمگیری، ۵/ ۳۱۸،باب فی الصلاة والتسبیح وقراء ة القرآن والذکروالدعاء،

(۱۰۹) : در مختار ،باب صفة الصلاة،۲/ ۲۱۲،

(۱۱۰) : فتاوی شامی ،باب صفة الصلاة،۲/ ۲۱۲،

شیخ عبدالحق صاحب کے قول سے یہ ثابت ہوا کہ الٹے رخ ہتھیلیوں کے دعا مانگنا بعضوں کا مذہب ہے اور نیز شامی کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ بحرالرائق میں دعائے رہبت کی نسبت یہ لکھا ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کا الٹا رخ منہ کی طرف کرے اور یہ معنی شافعیوں کے اس قول کے ہیں جو انھوں نے ذکر کیا کہ دعا کرنے والا اگر وجود شئے طلب کرے تو سیدھا رخ دونوں ہاتھوں کا آسمان کی طرف کرے اور اگر کسی چیز کا دفع کرنا ہو تو ہتھیلیوں کا الٹا رخ آسمان کی طرف کرے اور ''شامی'' کی عبارت یہ ہے :

" وهذامعنے ما ذکره الشافعية من انه يسن لکل داع رفع بطن يديه للسماء ان دعا بتحصيل شیء وظهرهما ان دعا برفعه "(۱۱۲)

شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ دعائے رہبت میں ہتھیلیوں کے الٹے رخ سے دعا مانگنا شافعیوں کا مذہب ہے اور شیخ عبدالحق صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ بعض کا مذہب ہے اور طحطاوی میں مسطور ہے کہ یہ قول مفتی بہ نہیں ہے اسی وجہ سے صاحب درمختار نے ہتھیلیوں کے الٹے رخ سے دعا مانگنا ذکر نہیں کیا کہ گویا اس پر مفتی بہ مذہب والے قائل نہیں اور ''طحطاوی'' کی عبارت یہ ہے :

"ولم يذکر الدعاء بظهر الکفين وکان اهل المذهب لم يقولوا به"(۱۱۳)

---

(۱۱۱): اشعة اللمعات، کتاب الدعوات جلد۲، ۱۷۳/۲۔

ترجمہ: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب نعمتوں میں سے کسی نعمت کو طلب کرنے کے لئے دعا مانگے تو ہاتھ کی ہتھیلیوں کو آسمان کی جانب کرنا مستحب ہے اور اگر فتنہ کو دور کرنے کی دعا مانگے تو ہاتھ کی پشت کو آسمان کی جانب کرے۔

(۱۱۲): فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، ۲، ۲۱۶/۲،

(۱۱۳): طحطاوی علی الدرالمختار، باب صفة الصلاة جلد ۱، ۳۲۸/۱،

اور اس مذہب مفتی بہ کے مؤید یہ حدیث ہے :

"فاسئلو ہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا" (۱۱۴)

چونکہ یہ ثابت ہوا کہ مؤذن کی دعا خواہ دعائے رغبت ہو یا رہبت ہاتھ اٹھانا اور اس میں ہتھیلیوں کا سیدھا رخ آسمان کی طرف کرنا مستحب ہے باقی رہیں دو دعائیں دعائے تضرع اور دعائے خفیہ۔ اور یہ دعا دعائے تضرع میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ مقصد دعائے تضرع سے صرف اظہار و عجز و تذلل ہوتا ہے نہ سوال طلب چنانچہ "شامی" میں مسطور ہے:

"قولہ و دعاء تضرع ای اظھار الخضوع والذلة للہ تعالی من غیر طلب جنة ولا خوف من نار، نحو: الھی انا عبدک البائس الفقیر المسکین الحقیر "(۱۱۵)

چونکہ شامی کی عبارت سے ثابت ہوا کہ دعائے تضرع نہ طلب جنت نہ خوف نار سے ہوتی ہے بلکہ اظہار عجز و ذلت کیلئے ہوتی ہے اور یہاں مؤذن وغیرہ جنت اور فوائد جنت مانگتے ہیں لہٰذا ان کی دعا دعائے تضرع میں داخل نہیں ہوئی۔

سوال : جانب مخالف نے اپنی اتباع السنہ کے صفحہ ۲۹ میں یہاں کے مؤذن وغیرہ کی دعا دعائے خفیہ میں داخل کی اور دعائے خفیہ میں ہاتھ اٹھانا نہیں آیا ؟

جواب : جانب مخالف بالکل غلط کہتا ہے اور وہ دینیات کا اتباع نہیں کرتا ہے اور اپنے نفس کے اتباع میں مشغول ہے اور اس کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مؤذن وغیرہ یہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ مجھ پر اور اموات پر رحم فرما۔ اور اس فاتحہ اور صدقہ کا ثواب اموات کو پہنچا اور بعض مرادیں جو ان کے دل میں ہیں اس کی جگہ ذکر خدا زبان پر جاری کرتے ہیں در حقیقت ہر ایک دعا کو زبان پر لا کر ظاہر کرتے ہیں تو یہ دعا دعائے خفیہ نہیں ہوئی اس لئے کہ دعائے خفیہ

---

(۱۱۴): سنن ابوداؤد، باب الدعاء، جلد ۱/ ۲۰۹، المستدرک للحاکم ۵/ ۱۹، **(۱۱۵)**: فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، ۲/ ۲۱۶،

میں یہ شرط ہے کہ داعی جو کچھ مانگے دل میں مانگے اور زبان تک نوبت نہ پہنچے چنانچہ "طحطاوی" نے خفیہ کے معنی یہ لکھے ہیں:

"ای یجریه علی قلبه من الدعاء والخضوع والتذلل القلبی"(۱۱۶)

چونکہ یہ ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ ہند دعائے تضرع اور خفیہ میں داخل نہیں ہے تو دعائے رغبت ورہبت میں داخل ہے پس ان دونوں میں ہاتھ اٹھانا حدیث نبوی اور کتب فقہاء سے ثابت ہے اور سوا ان چار دعاؤں کے اور دعا ہی نہیں چنانچہ "تکملۂ بحرالرائق" میں مسطور ہے:

"قال السغناقی الدعاء اربعة دعاء رغبة، و دعاء رهبة، ودعاء تضرع، ودعاء خفية"(۱۱۷)

اور "عالمگیری" میں مسطور ہے

"عن محمد بن الحنفية الدعاء اربعة، دعاء رغبة، و دعاء رهبة، و دعاء تضرع، ودعاء خفية"(۱۱۸)

اور نیز "درمختار" میں مسطور ہے

"وفی وتر البحر: الدعاء اربعة دعاء رغبة الخ"(۱۱۹)

اب ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ ہند میں جو مؤذن وغیرہ ہاتھ اٹھاتا ہے یہ فعل مستحب اور حدیث نبوی اور اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بدعتی اور مستحب کا ناجائز کہنے والا کون ہے۔

---

(۱۱۶): طحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة جلد، ۱/۲۲۸۔

(۱۱۷): تکملته بحر الرائق، کتاب الکراهية، فصل فی البیع، ۹/۳۷۹۔

(۱۱۸): فتاوی عالمگیری، ۵/۳۱۸، باب فی الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن والذکر والدعاء۔ (۱۱۹): درمختار، باب صفة الصلاة، ۲/۲۱۵، ۲۱۶۔

ان عبارات کتب ثلاثہ کا ترجمہ ایک ہی ہے وہ یہ کہ

"دعائیں چار ہیں دعاء رغبت، دعاء رہبت، دعاء تضرع، دعاء خفیہ۔

وجہ پنجم واسطے استحباب ہاتھ اٹھانے موذن وغیرہ کے فاتحہ مروجہ ہند میں یہ ہے کہ یہ فاتحہ دعا ہے اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب اور حدیث نبوی سے ثابت اور اقوال فقہا میں موجود ہے۔ چنانچہ بروایت ''ترمذی وابوداؤد'' وارد ہے :

"ان ربکم حی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفراء" (۱۲۰)

ترجمہ: تحقیق پروردگار تمہارا بہت حیا مند ہے۔ اپنے بندوں سے حیا کرتا ہے کہ ان کو خالی پھیرے جس وقت اٹھاتا ہے بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کیطرف (مظاہر الحق) (۱۲۱)

اب دیکھو کہ مولوی قطب الدین خان صاحب "اذا" کے ترجمہ میں لفظ جس وقت لائے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ "اذا" وقتیہ ہے دوئم یہ کہ وقت سے عام وقت مراد ہے اس لئے کہ انھوں نے "اذا" کے ترجمہ میں صرف وقت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وقت پر لفظ ''جس'' کہ تعمیم کا کلمہ ہے بڑھایا جیسے کوئی کہے (جس نے مارا اس پر قصاص آئے گا جس وقت زید آئے مجھ کو خبر کر۔ جس وقت خالد جائے اس کے ساتھ جا) اور اگر "اذا" صرف وقت کے لئے ہوتا اور تعمیم اوقات اس سے مراد نہ ہوتی تو مولوی قطب الدین خان صاحب فقط لفظ ''وقت'' لکھتے اور لفظ ''جس'' اس پر زیادہ نہ کرتے۔ چنانچہ ''تلویح'' میں مسطور ہے:

---

(۱۲۰) **الف**: صحیح ترمذی، ابواب الدعوات، ۱۹۶/۲۔

ب: سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، جلد۱/ ۲۰۹۔

(۱۲۱): مظاہر حق، ترجمہ مشکوٰۃ مولوی قطب الدین خان صاحب، کتاب الدعوات، جلد۲/ ۲۶۳۔

"لکنھا قد تستعمل لمجرد الظرفية من غير اعتبار شرط وتعليق كقوله تعالىٰ واللیل اذا یغشٰی ای وقت غشیانه" (۱۲۲)

اب مولوی قطب الدین خان صاحب کے ترجمہ اوران اردو نظیروں سے ثابت ہوا "اذا" کہ جس کے معنی جس وقت ہیں مثل "متی" عموم اوقات کے لئے ہے۔اب اس سے بھی قطع نظر کر کے خوب کان کھول کر سنو کہ ایسا "اذا" جیسا کہ حدیث گذشتہ میں وارد ہے بالاتفاق نحویں واصولین "اذا" وقتیہ مثل متی ہے اس لئے کہ "اذا" میں نحویوں کے دو مذہب ہیں کوفیوں کے نزدیک وقت اور شرط دونوں کے لئے بدیں طور صلاحیت رکھتا ہے کہ اگر "اذا" کے سبب سے جزا کی ضرورت ہو تو "اذا" وقت سے خالی فقط بمعنی شرط رہتا ہے۔اور اگر "اذا" وقتیہ ہو تو متی کے ہم معنی ہوتا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ چنانچہ "منار" میں مسطور ہے:

"و"اذا" عند نحاة الكوفة تصلح المؤقت والشرط على السواء فيجازى بها مرۃ ولا يجازى بها اخرىٰ واذا جوزى بها سقط عنها الوقت كانها حرف الشرط و هو قول ابی حنيفة" (۱۲۳)

---

(۱۲۲): التلويح، ۲۲۷،قوله واذا،عند الكوفيين،
(لیکن اذا کبھی استعمال ہوتا ہے صرف ظرفیہ کے لئے شرط اور تعلیق کا اعتبار کئے بغیر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "واللیل اذا یغشٰی" رات کی قسم جب چھائے یعنی اس کے چھانے کے وقت۔)

(۱۲۳): نور الانوار ،مبحث حروف الشرط،۱۲۳] (اور اذا کوفہ کے نحوی حضرات کے نزدیک وقت اور شرط دونوں کی برابر صلاحیت رکھتا ہے تو کبھی اس کی جزا لائی جائے گی اور کبھی نہیں اور جب جزا لائی جائے گی اس سے وقت ساقط ہو جائے گا گویا کہ وہ حرف شرط ہے اور یہی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہے)

اور بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ "اذا" درحقیقت وقت کے لئے ہے اور ہمیشہ وقتیہ بمعنی متی ہوتا ہے اور اگر کبھی بطور مجاز شرط کے لئے مستعمل ہوتا ہم اس سے وقت ساقط نہیں ہوتا اور یہ قول صاحبین کا ہے۔ جیسا کہ "منار" میں مسطور ہے:

"وعند نخلة البصرة هی المؤقت حقیقة فقط وقد تستعمل للشرط من غیر سقوط الوقت عنها علی سبیل المجاز مثل "متی" فانها للوقت لا یسقط عنها ذالک بحال هو قولهما" (۱۲۴)

خلاصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک "اذا" کبھی وقتیہ اور متی کا ہم معنی ہوتا ہے اور کبھی شرطیہ اور وقت اس سے ساقط ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ہمیشہ "اذا" مثل متی وقتیہ ہے خواہ شرط اس سے بطور مجاز مفہوم ہو یا نہ ہو۔ اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کے قواعد کے بموجب "اذا" جو حدیث گذشتہ میں وارد ہے وقتیہ ہے نہ شرطیہ اس لئے کہ یہاں "اذا" سے بموجب ترجمہ حدیث کے کہ مولوی قطب الدین خان صاحب کی کتاب سے نقل ہوا وقت مراد ہے اور جب "اذا" سے وقت مراد ہوتو امام صاحب کے نزدیک شرط باطل اور صرف وقت اس سے مراد ہوتا ہے چنانچہ "نورالانوار" میں مسطور ہے:

"اذا" جوزی بها سقط عنها الوقت کانها حرف الشرط وهو قول ابی حنیفة علیه الرحمة لانه لما کانت مشترکة بین الشرط و الظرف ولا عموم للمشترک فتعین عند

---

(۱۲۴): نورالانوار، مبحث حروف الشرط، ۱۴۲، **ترجمہ:** (اور بصری نحویوں کے نزدیک اذا حقیقۃً وقتیہ ہے اور کبھی شرط کے لئے بغیر وقت کو ساقط کئے بر سبیل مجاز استعمال ہوتا ہے متی کی طرح پس متی وقت کے لئے ہے وقت اس سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا یہ صاحبین کا قول ہے)

ارادة احد المعنيين بطلان الاخر ضرورة "(۱۲۵)

چونکہ "اذا" سے وقتیہ مراد ہوا تو بموجب قواعد اصولیہ بالاتفاق مابین امام اور صاحبین کے یہ "اذا" جو حدیث بالا میں وارد ہے وقتیہ بمعنی متی ہوا۔ اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک ہمیشہ "اذا" وقتیہ مانند متی ہے اور امام صاحب کے نزدیک اگر اس سے وقت مراد ہو جیسے اس حدیث بالا میں بیان ہو چکا تو وقتیہ بمعنی متی ہے چونکہ حدیث بالا میں جو "اذا" وارد ہے بالاتفاق وقتیہ بمعنی متی ہوا تو منطقیوں کے نزدیک بھی موجبہ کلیہ کا سور ہے۔ چنانچہ شرح تہذیب میں مسطور ہے کہ سور موجبہ کلیہ کا متی ہے اور جو اس کے معنی میں ہو (۱۲۶) اور اصولین کے نزدیک بھی ایسا "اذا" بمعنی متی یعنی عموم اوقات کے لئے ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں مسطور ہے "اذا ومتى، يدلان على عموم الزمان و كليته "(۱۲۷) اور منطقیوں نے "اذا" شرطیکہ جملہ شرطیہ پر داخل ہو بموجب مذہب کوفین اس کو وقت سے خالی سمجھ کر اہمال کی علامت قرار دیا ہے..... .... اور یہاں حدیث بالا میں "اذا" بالاتفاق وقتیہ بمعنی متی ہے۔ تو اس "اذا" کو منطقیوں کے "اذا" پر قیاس کرنا کسی ذی علم کا کام نہیں البتہ (آتیہ) کو (آیت) پڑھنے والوں کا کام ہے۔ چونکہ "اذا" بالاتفاق وقتیہ مثل متی ہوا تو نتیجہ حدیث "اذا" رفع يديه اليه" کا یہ ہوا کہ بندہ دعا میں خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ موجب اجابت وقبولیت ہے۔ لہٰذا دعا میں کسی وقت ہاتھ اٹھانا شرک وبدعت نہ ہوا بلکہ ہر

---

(۱۲۵): نور الانوار، مبحث حروف الشرط، ۱۴۳، **ترجمہ**: اذا جب اس کی جزا لائی جائے گی تو اس سے وقت ساقط ہو جائے گا گویا وہ حرف شرط ہے اور یہی ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہے اس لئے کہ وہ جب شرط اور ظرف کے درمیان مشترک ہے اور مشترک کے لئے کوئی عموم نہیں ہے تو لامحالہ دو معنوں میں سے کسی ایک معنی کے مراد کے وقت دوسرے کا بطلان متعین ہو گیا۔)

(۱۲۶): شرح تہذیب، ص ۳۳، عربی عبارت یہ ہے "فكلية وسورها في المتصلة الموجبة كلما ومهما ومتىٰ ومافي معناها۔

(۱۲۷): نور الانوار، مبحث حروف الشرط، ۱۴۶۔

وقت دعا میں ہاتھ اٹھانا موجب سعادت دارین اور خوشنودی خدا اور سبب انجاح مرام بندہ ہے اگر خدا نے چاہا۔ اور نیز حدیث دیگر بروایت "ابوداؤد" مالک بن یسار سے وارد ہے

"اذا" سألتم الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسئلوه بظهورها"(۱۲۸)

ترجمہ: جس وقت مانگو تم اللہ سے پس مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کی پیٹ کی جانب سے اور نہ مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کی پیٹھ کی طرف سے (از مظاہر الحق)(۱۲۹)

اب اس حدیث کے ترجمہ سے بھی جو مولوی قطب الدین خاں صاحب نے کیا ہے معلوم ہوا کہ "اذا" عموم اوقات کے لئے ہے اس لئے کہ انہوں نے یہاں بھی وقت پر لفظ جس بڑھایا اور صرف وقت پر اکتفا نہیں کیا اور مولوی قطب الدین خان صاحب نے مولانا اسحاق صاحب سے نقل کر کے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ دعا کرنے میں ہاتھ اس طرح رکھو کہ ہاتھوں کے اندر کا رخ منھ کے سامنے رہے۔ جیسا کہ معمول ہے دعا مانگنے میں۔ الٹے ہاتھ کر کے دعا نہ مانگو اور حالت استسقاء اس سے مستثنیٰ ہے اس میں الٹے ہاتھ سے دعا مانگنی آئی ہے اور شیخ عبد الحق صاحب کے ترجمہ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اب مولانا کی عبارت سے ثابت ہوا کہ سوائے دعائے استسقاء اور دعاؤں میں ہاتھوں کے سیدھے رخ سے دعا مانگے اس لئے کہ انہوں نے اس سے فقط دعائے استسقا مستثنیٰ کی اور

---

(۱۲۸) الف: سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ ۱/۲۰۹، **ب:** المستدرک للحاکم ۱۹/۵، **ج:** المعجم الکبیر للطبرانی، **د:** السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۹، ۳۔ حاکم اور طبرانی نے مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے "وامسحوا بها وجوهكم" اور بیہقی نے "فاذا فرغتم وامسحوا بها وجوهكم" (اور جب تم [دعا] سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے چہرہ پر ہاتھوں سے مسح کرو) کا اضافہ کیا ہے۔

(۱۲۹): مظاہر حق، کتاب الدعوات ۲/۲۶۳۔

نیز شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ آداب دعا میں تحریر کرتے ہیں:

"پس مسح وجہ بدو دست درصورتے بود کہ دستہارا برمی داشت (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) چوں برنمی داشت مسح نمی کرد ولیکن برداشتن دستہا از آداب دعاست۔" (۱۳۰)

دیکھو کہ شیخ صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی ہاتھ اٹھانے کو مطلق دعا کے آداب سے شمار کیا اور کسی دعا کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اور نیز کسی نے مولوی اسحاق صاحب سے استفسار کیا کہ تعزیہ اور ماتم پرسی میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ:

حدیث شریف سے مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ پس اس وقت میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن تخصیص اس وقت کی حدیث سے منقول نہیں ہے کہ اسوقت کے واسطے ضرور ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔

(از ترجمہ اردو اربعین مسمّٰی بہ رفاہ المسلمین (۱۳۱)

اب سن لو کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ دعائے مروجہ میں ہاتھ اٹھانا مستحب اور آداب دعا سے ہے نہ فرض اور نہ واجب بلکہ سنت مؤکدہ بھی نہیں ہے کہ اس کے ترک کرنے سے عذاب یا عتاب نازل ہو۔ اور یہ بحث عنقریب بخوبی شرح آئے گی۔ البتہ اگر اس فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کو مستحب اور جائز سمجھ کر ترک کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس ہاتھ اٹھانے کے جواز سے منکر ہو تو بلاشک وہ سخت بدعتی ہے اس لئے کہ امر جائز اور مستحب کے کے جواز سے منکر ہوا۔

---

(۱۳۰): اشعة اللمعات، كتاب الدعوات، جلد ۲/ ۱۷۵،

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو چہرے پر اس صورت میں پھیرتے تھے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوتے اور اگر ہاتھ نہ اٹھاتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسح نہیں فرماتے۔ البتہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔

(۱۳۱): ترجمہ اردو اربعین مسمّٰی بہ رفاہ المسلمین] دستیاب نہیں ہوئی،

سوال : احتمال ہے کہ یہاں "اذا" شرطیہ ہو۔ اس لئے کہ اس کے بعد "فا" وارد ہے، تو بنا بریں تقدیر "اذا" امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرطیہ ہوا نہ ظرفیہ جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے۔ اور شرطیہ میں عموم اوقات نہیں ہے تو آپ کا مطلب جو عموم اوقات تھا ثابت نہیں ہوا۔

جواب : نورالانوار میں مسطور ہے کہ امام اور صاحبین کا اختلاف وہاں ہے جہاں "اذا" کی مراد معلوم نہ ہو۔ اور یہاں بذریعہ ترجمہ مولوی قطب الدین خان صاحب "اذا" کی مراد معلوم ہوئی۔ اور جب "اذا" کی مراد معلوم ہو تو سب کا اس مراد پر اتفاق ہے نہ کہ اختلاف۔ اور "نورالانوار" کی عبارت یہ ہے

"وھذا کلہ اذ لم ینو شیأ اما اذا نوی الوقت او الشرط فھو علی ما نوی" (١٣٢)

اور نیز فقہا بغیر اوقات عذر جمیع اوقات دعا میں ہاتھ اٹھانا اور ہتھیلیوں کا پھیلانا مستحب لکھتے ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر ہاتھ اٹھانا چھوٹے تو انگشت شہادت کا اٹھانا اس کے قائم مقام لکھتے ہیں چنانچہ عالمگیری میں موجود ہے کہ دعا میں بہتر یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو پھیلائے۔ اور ان کے درمیان فرجہ چھوڑے اگر چہ قلیل ہو۔ اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر نہ رکھے اور عذر کے وقت اگر انگشت شہادت اٹھائے تو یہ ہتھیلیوں کے پھیلانے کے قائم مقام ہے۔ اور "عالمگیری" کی عبارت یہ ہے :

"والا فضل فی الدعاء ان یبسط کفیہ ویکون بینھما فرجۃ وان قلت ولا یضع احدی یدیہ علی الاخری فان کان فی وقت عذر او برد شدید فاشا ربا لمسبحۃ قام مقام

(١٣٢) : نورالانوار، مبحث حروف الشرط، صفحہ ١٤٢، (اور یہ تمام اس وقت ہے جب کچھ نیت نہ کرے لیکن جب وقت یا شرط کی نیت کر لی تو وہی مراد ہوگا جس کی نیت کی ہے۔)

بسط کفیه "(۱۳۳) وھکذافی الدر المختار (۱۳۴)

اب عالمگیری کی عبارت سے ثابت ہوا کہ ہاتھ اٹھانا دعا میں اس درجہ تک نیک ہے کہ عذر کی وجہ سے اس کا چھوٹنا ہوتا ہے اور عذر کے وقت کو بھی خالی نہیں چھوڑا بلکہ اس وقت میں انگشت شہادت کا اٹھانا ہاتھ اٹھانے کے قائم مقام قرار دیا۔ اور جو امر ایسا ہو کہ عذر کے وقت اگر وہ نہ ہو سکے تو شرعاً اس کا قائم مقام بھی مقرر ہو وہ کیسے شرک و بدعت ہوگا اور نیز "عالمگیری" میں مسطور ہے کہ:

"والمستحب ان یرفع یدیه عند الدعاء بحذاء صدره، کذا فی القنیة" (۱۳۵)

یعنی مستحب یہ ہے کہ بوقت دعا دونوں ہاتھ سینہ کے برابر اٹھائے۔

نیز "نووی" میں مسطور ہے کہ:

"قال القاضی عیاض واختلفوا فی کراھۃرفع البصر الی السماء فی الدعاء فی غیر الصلوة فکرهَه شُرَیح و اٰخرون وجوزه الا کثرون وقالوا ان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلوة ولا ینکر رفع الابصار الیها کما لا یکره رفع الید" (۱۳۶)

---

(۱۳۳): فتاوی عالمگیری، ۳۱۸/۵، باب فی الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن والذکر والدعاء، (۱۳۴): اور ایسا ہی درمختار میں ہے "فیبسط یدیه حذاء صدره ....ویکون بینهما فرجة والاشارة بمسبحة لعذر کبر دیکفی " ترجمہ: دونوں ہاتھوں کو سینے کے سامنے پھیلائے اور ان دونوں ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھے۔ اور عذر جیسے (سخت) سردی کے وقت، انگشت شہادت سے اشارہ ہی کافی ہے۔ [الدر المختار: جلد۲/۲۱۵] (۱۳۵): فتاوی عالمگیری، ۳۱۸/۵، باب فی الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن والذکر والدعاء، (۱۳۶): شرح النووی علی مسلم، باب النهی عن رفع البصر الی السماء جلد۱/۱۸۱،

یعنی سوائے نماز کے بوقت دعا آسمان کی طرف دیکھنا شریح وغیرہ نے مکروہ سمجھا ہے اور اکثر علما کے نزدیک جائز ہے کیوں کہ ان علماء کے نزدیک آسمان دعا کا ایسا قبلہ ہے جیسے کعبہ شریف نماز کا تو بوقت دعا آسمان کی طرف نظر کرنا برا نہیں ہے جیسے ہاتھ اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔

''درمختار'' میں مسطور ہے کہ آسمان، دعا کا قبلہ ہے(۱۳۷) لہٰذا اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور ''طحطاوی'' اور ''شامی'' میں مسطور ہے ''**کالقبلة للصلاة**'' (۱۳۸) یعنی آسمان دعا کا ایسا قبلہ ہے جیسے کعبہ شریف نماز کا۔ چونکہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور آسمان کی طرف پھیلانا ایسے ہوا جیسے نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا، پھر کوئی مسلمان آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کو بدعت کہہ سکے گا۔ اور نیز فقہا کی کتابون سے ثابت ہے کہ تکبیر افتتاح، قنوت، عیدین، بوسہ حجر اسود، صفا و مروہ، عرفات اور جمرات میں ہاتھ اٹھانا سنت مؤکدہ ہے۔ اور ان کے علاوہ استقاء اور باقی دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ چنانچہ ''درمختار'' میں مسطور ہے

''**ولا یسن مو کد ارفعا یدیه الا فی سبع مواطن**'' (۱۳۹)

اور ''شامی'' میں اس قول کے تحت مسطور ہے

''**قوله ولا یسن موکدا، قیدبه لئلا یرد الرفع فی الدعاء والاستسقاء لما سیأتی انه مستحب**'' (۱۴۰)

---

(۱۳۷) :عربی عبارت یہ ہے ''فبسط یدیه حذاء صدره نحو السماء لانها قبلة الدعاء'' درمختار، جلد۲/۲۱۵، باب صفة الصلاة،

(۱۳۸) الف: طحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة، جلد۱/۲۴۸، **ب**: فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، جلد۲/۲۱۵،

(۱۴۰) : فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، ۱/۲۸۴، مکتبہ ماجدیہ پاکستان۔ (یہ عبارت فتاوی شامی مطبوعہ دیوبند میں نہیں ہے اس کتاب کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ دیوبند کی مطبوعہ بہت سی کتابوں میں کتر بیونت، حذف اور اپنے مطلب کی عبارات کا اضافہ کافی حد تک زور پکڑ چکا ہے۔ اہل علم حضرات توجہ دیں! ورنہ آگے چل کر یہ علمی خیانت، بہت ہی مضر ثابت ہوگی اور پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوگا۔

اور "طحطاوی" میں مسطور ہے

"قولہ ولا یسن موکدا قید بہ لانہ استحب فی غیر ما ذکر کالدعاء کما یأتی" (۱۴۱)

اور نیز "صاحب ہدایہ" نے یہ حدیث نقل کی "لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن" (۱۴۲) یعنی نہ اٹھائے جائیں ہاتھ مگر سات جگہ اور ان سات جگہ کا بیان گذر گیا (تکبیر افتتاح وغیرہ)

اور "فتح القدیر" میں مسطور ہے کہ:

"و یستحیل ان یکون لا ترفع الا فیھا صحیحا وقد تواترت الاخبار بالرفع فی غیرھا کثیرا فمنھا الاستسقاء ودعاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم" (۱۴۳)

یعنی محال ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو اس لئے کہ رفع یدین حدیثوں میں سوائے ان سات جگہ کے متواتر وارد ہے۔ اور بعض ان میں سے استقاء اور دعائے رسول اللہ ہے۔

نیز "فتح القدیر" میں بروایت حکم وارد ہے کہ

"روی عن الحکم قال فی جمیع الروایات ترفع الآیدی ولیس فی شیء منھا لا ترفع الا فیھا" (۱۴۴)

یعنی کسی روایت میں لا ترفع نہیں ہے بلکہ جمیع روایات میں ترفع الایدی ہے۔

---

(۱۴۱): طحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة، جلد ۱/ ۲۲۷،

(۱۴۲) :الف: ہدایہ، باب صلاة الوتر، جلد ۱/ ۴۷،

ب : معجم الکبیر للطبرانی ،۱۱/ ۳۸۵،

ج : مجمع الزوائد، ۲/ ۳۰۱، کنز العمال، ۲/ ۱۰۷،

(۱۴۳) : فتح القدیر مع الکفایة، ۱/ ۲۹۹، مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان۔

(۱۴۴): فتح القدیر مع الکفایة، ۱/ ۲۹۹، مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان،

اور نیز کنز الدقائق (۱۴۵) میں مسطور ہے:

" ولا یرفع یدیه الا فی فقعس صمعج" (۱۴۶)

اورصاحبِ کنز الدقائق کی ان حروف سے وہ مواضع مراد ہیں کہ پہلے گذر چکے (یعنی تکبیر افتتاح وغیرہ) اور صاحبِ بحر الرائق اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

" ای ولا یرفع یدیه علی وجه السنة المؤکدة الا فی هذه المواضع ولیس مراده النفی مطلقا لان رفع الایدی وقت الدعاء مستحب کما علیه المسلمون فی سائر البلاد" (۱۴۷)

یعنی مصنف کی مراد یہ ہے کہ نہ اٹھائے جائیں ہاتھ بطور سنت مؤکدہ مگر ان مواضع میں اور یہ مراد نہیں ہے کہ سوا ان جگہ کے اور جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ اس لئے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے وقت مستحب ہے اور اس استحباب پر جمیع بلاد کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

اب ان عبارات فقہاء سے ثابت ہوا کہ کل دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

---

(۱۴۵): کنز الدقائق، فصل کیفیة اداء الصلوة، جلد ۱/ ۲۶،

(۱۴۶): علامہ ابن نجیم حنفی علیہ الرحمۃ ان آٹھ حروف ہجائیہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

"وافادبهذه الحروف سنیة رفع الیدین فی ثمانیة مواضع: ثلاثة فی الصلاة فالفاء لتکبیرة الافتتاح، والقاف للقنوت، والعین للعیدین، وخمسة فی الحج فالسین عنداستلام الحجر، والصادعندالصعودعلی الصفا، والمیم للمروة، والعین لعرفات، والجیم للجمرات" [البحر الرائق، باب صفة الصلاة، ۱/ ۵۶۴]

ترجمہ: مصنف علیہ الرحمۃ نے ان حروف کے ذریعہ آٹھ مقامات پر دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے سنت ہونے کا فائدہ پہنچایا: تین نماز میں، فا سے مراد تکبیر افتتاح کے لئے ہاتھ اٹھانا ہے، اور قاف سے قنوت کے لئے، عین سے عیدین کے لئے، اور پانچ جگہیں حج میں، سین سے مراد حجر کے اسود کے لئے، اور صاد سے صفا اور میم سے مروہ پر چڑھتے وقت، عین سے عرفات اور جیم سے جمرات کے لئے ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

(۱۴۷): البحر الرائق، باب صفة الصلاة، ۱/ ۵۶۴۔

سوال : آپ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور جانب مخالف اپنی اتباع السنتہ کے صفحہ ۲۷ میں لکھتا ہے کہ:

''ہم مؤلف سے دریافت کرتے ہیں کہ ان احادیث میں حکم عموماً کلی ہے یا کلی نہیں تو استدلال باطل ہے حکم جزئی یا اہمالی سے استدلال درست نہیں ہے اور کلی ہے تو صلوۃ جنازہ یعنی دعا للمیت ودعا بعد تشہد قبل سلام۔ ودعائے قنوت فی الوتر وغیرہ میں کیوں ہاتھ اٹھانے ناجائز ہیں۔''

جواب : حدیث شریف میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا حکم کلی ہے اور اس حدیث سے ہر جگہ ہاتھ اٹھانے کا استحباب دعا میں ثابت ہے اور اس حکم کا کلی ہونا کتب اصول اور فقہ سے مشرح وجہ پنجم میں ثابت ہوا۔ حاجت اعادہ کی تو نہیں تھی مگر بموجب ''التکرار یفقہ الحمار'' (۱۴۸) اس مضمون کو پھر اعادہ کر کے فقہاء کی کتابوں سے ثابت کرتا ہوں کہ ہاتھ اٹھانا ہر جگہ دعا میں مستحب ہے۔ چنانچہ ''عالمگیری'' کے باب استسقاء میں مسطور ہے کہ:

''ثم عند الدعاء ان رفع یدیه نحو السماء فحسن وان ترک ذالک واشار باصبعه السبابة فحسن و کذاالناس یرفعون ایدیهم ایضا لان السنةفی الدعاء بسط الیدین کذا فی المضمرات'' (۱۴۹)

اگر امام دعا کے وقت میں ہاتھ اٹھائے یا انگشت شہادت سے اشارہ کرے تو یہ دونوں بہتر ہیں اور لوگ بھی ہاتھ اٹھائیں۔ اس لئے کہ سنت ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے۔

اب جانب مخالف یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا عموماً ثابت نہیں ہے اس لئے کہ

---

(۱۴۸) : دوبارہ بیان کرنا گدھے کو سمجھانے کے لئے ہے۔

(۱۴۹): فتاوی عالمگیری، باب الاستسقاء، جلد ۱/ ۱۵۴۔

صاحب مضمرات "لان السنۃفی الدعاء بسط الیدین" کو دلیل ہاتھ اٹھانے کے لئے
دعاءِ استسقاء میں لایا ہے تو یہاں یہ حکم ضرور جانب مخالف کے نزدیک بھی کلی ہوگا اس لئے
کہ حکم جزئی اور اہمالی دلیل میں جانب مخالف کے نزدیک بھی نہ درست اور نہ مفید مدعا ہے
اب اس استدلال مضمرات سے ثابت ہوا کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت اور مستحب ہے اور نیز
طحطاوی میں مسطور ہے" لا نہ ثبت رفع الیدین فی الادعیۃ کلھا" (۱۵۰)

سوال: اگر چہ طحطاوی وغیرہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر جانب مخالف نے اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۳۰ تک یہ دو اعتراض مکرر بیان کئے ہیں کہ:

"اگر جمیع مجالس میں ذکر اللہ ثابت کرنا ہے تو چاہئے کہ مجلس پیشاب و پاخانہ وغیرہ میں ذکر اللہ اور درود کو مستحب بتائے۔ دوم یہ کہ اگر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے تو صلوٰۃ جنازہ اور دعا بعد تشہد اور دعائے قنوت فی الوتر وغیرہا میں کیوں ہاتھ اٹھانا جائز ہے؟"

جواب: ان دونوں جگہوں میں حکم کلی بدیں طور مراد ہے کہ ہر مجلس کہ جس میں درود اور ذکر اللہ اور ہر دعا کہ جس میں ہاتھ اٹھانا شرعاً ممنوع نہیں ہے تو اس مجلس میں درود اور ذکر اللہ اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے جیسے" ان اللہ علی کل شیء قدیر" باوجودیکہ کلیہ ہے اور یہ کلیہ بہ نسبت ان چیزوں کے ہے کہ جن کے ساتھ تعلق قدرت شرعاً جائز ہو۔ نہ ممتنعات جیسے شریک باری اور نہ ذات باری تعالیٰ اگر شک ہو تو یہ مسئلہ مناظرہ رشیدیہ کی ابتداء میں دیکھو اور علی ہذا القیاس تنویر الابصار میں مسطور ہے"ھی فرض عین علی کل مکلف" (۱۵۱) باوجودیکہ

---

(۱۵۰): طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱/ ۵۷۲ باب الاستسقاء،

(۱۵۱): تنویر الابصار بحوالہ فتاوی شامی کتاب الصلاۃ جلد ۲/ ۴، ترجمہ:۔ وہ (یعنی پانچ وقت کی نمازیں) ہر مکلف پر فرض عین ہیں۔

یہ کلیہ ہے مگر یہ کلیہ بہ نسبت ان افراد کے نہیں کہ شرع نے جن کو اس کلیہ سے نکالا ہو جیسے حیض اور نفاس والی عورتیں حیض اور نفاس کے وقت میں سوا نماز کے اور احکام شرع پر مکلف ہیں اور کل مکلف میں داخل ہیں مگر شرع اور شارع نے ان کو مستثنیٰ کیا تو یہ کلیہ ان کے سبب سے نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے کہ اس کلیہ کی کلیۃ بہ نسبت ان افراد کے ہے کہ شارع نے مستثنیٰ نہ کئے ہوں۔ ایسے ہی ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہے اور کلیہ اس کلیہ کی بھی بہ نسبت ان افراد کے ہے جو شرع اور شارع نے مستثنیٰ نہ کئے ہوں۔ جناب مولوی صاحب قامع بدعت کو کیا خبر تھی کہ دعائے برکت پر ایسے ناحرف شناس اور بے علم لوگ بھی اعتراض کریں گے کہ جن کو آتیہ اور آیت کا فرق نظر نہ آتا ہو اور کلیہ اور جزئیہ کی تمیز ان کی عقل کے احاطہ سے باہر ہو اگر جانب مخالف یہ کہے کہ تنویر الابصار کی عبارت میں کل مکلف سے کامل مکلف مراد ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر جگہ ہاتھ اٹھانے سے دعا میں کامل ہاتھ اٹھانا مراد ہے نہ ناقص کہ جس کو شارع نے منع فرمایا ہو چونکہ یہ ثابت ہوا کہ کل ادعیہ سے وہ دعائیں مراد ہیں کہ جن میں شرع اور شارع نے ہاتھ اٹھانے کو منع نہ فرمایا ہو۔ تو بنابریں تقدیر فاتحہ مروجہ بھی اس کلیہ میں داخل ہوئی اور فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب چند وجوہ سے ثابت ہوا :

اول: یہ کہ یہ دعا احسان کے بعد احسان کرنے والوں کے لئے ہے اور حدیث ابوداؤد سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے۔

دوم: یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ میں اموات کے لئے دعا ہے اور حدیث نبوی سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے۔

سوم: یہ ہے کہ اس فاتحہ مروجہ میں دعا اور طلب مغفرت و رحمت ہے اور بخاری کی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے ۔

چہارم: یہ ہے کہ چونکہ مؤذن وغیرہ فاتحہ مروجہ میں خدائے پاک سے جنت اور فوائد جنت اپنے اور اموات کے لئے مانگتے ہیں۔ اور ''طحطاوی اور شامی'' سے ثابت ہو چکا کہ ایسی

دعا دعائے رغبت ہے اور حدیث ترمذی اور اقوال فقہا سے ثابت ہوا کہ دعائے رغبت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

پنجم: یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ دعا ہے اور ترمذی اور ابو داؤد اور ترجمہ مولوی قطب الدین خان صاحب اور کتب فقہا اور اصول سے ثابت ہوا کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو ان وجوہ سابقہ کو دیکھے ۔

سوال: یہاں یہ طریقہ جاری ہے کہ بوقت فاتحہ اور دعائے مروجہ مؤذن وغیرہ روٹی پر ہاتھ اٹھا کر قرآن پڑھتے ہیں آیا یہ شرعاً جائز اور قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ بہ نیت صدقہ رکھنا فقہا کی کتابوں سے ثابت ہوا اور اس فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانا حدیث اور اصول فقہ اور کتب فقہ سے ثابت ہوا اور ہاتھ اوپر اور روٹی کے نیچے ہونے کا جواز وجہ اول سے ثابت ہوا باقی رہی یہ بات کہ فاتحہ مروجہ میں بہ نیت دعا ہاتھ اٹھانے کے بعد قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔ جواب اس کا یہ کہ بوقت دعا قرآن شریف کی ایسی آیتوں کا پڑھنا جن میں خدائے پاک کی توحید اور تقدیس اور حمد وثنا ہو یہ بھی دعا ہے اور ان کا دعا میں پڑھنا جائز ہے۔ اور انبیاء قدیم کی سنت اور کلام اللہ میں وارد ہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کے وقت میں کلمات توحید وتقدیس یعنی "**لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین**" (۱۵۲) پڑھا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کلمات توحید اور تنزیہ پر اطلاق دعا فرما کر یہ فرمایا "**فاستجبنا له ونجینه من الغم**" (ترجمہ: پھر ہم نے قبول کی دعا اس کی اور چھڑایا ہم نے اس کو قید کے غم سے از موضح القران تفسیر شاہ عبد القادر صاحب (۱۵۳) اور

(۱۵۲): پارہ ۱۷، سورۂ انبیاء آیت: ۸۷۔ ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا [ترجمہ کنز الایمان]۔۔۔

(۱۵۳): تفسیر موضح القرآن لشاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، صفحہ ۹، مطبع خادم الاسلام دہلی۔

نیز سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ذوالنون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا مچھلی کے پیٹ میں یہ تھی "لاالـہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین" چنانچہ بروایت "احمد وترمذی" وارد ہے

"عن سعدقال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم دعوة ذی النون اذدعاربه و هوفی بطن الحوت لااله الاانت سبحنک انی کنت من الظلمین فانه لم یدع بهارجل مسلم فی شیء قط الااستجاب الله له" (۱۵۴)

ترجمہ: روایت ہے سعد رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا صاحب مچھلی یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی جس وقت دُعا مانگی اپنے رب سے اس حالت میں کہ مچھلی کے پیٹ کے بیچ میں تھے کہ "نہیں کوئی معبود مگر تو پاک ہے تحقیق میں تھا ظالموں (۱۵۵) میں سے، نہیں دُعا مانگتا اُس کے ساتھ کوئی مسلمان شخص کسی چیز کے بیچ مگر اللہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے

(از مظاہر الحق، مولوی قطب الدین خان صاحب) (۱۵۶)

اس ترجمہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ان کلمات قدسیہ کی نسبت فرمایا کہ یہ دعا ہیں۔ اب غور کا مقام ہے کہ اس آیت بالا میں توحید اور تنزیہ ہے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کلمات کی نسبت فرمایا کہ ہم نے یہ دعا قبول کی اور سرور کائنات ﷺ نے بھی فرمایا کہ

---

(۱۵۴) :الف: مسند احمد، ۳/۲۲،

ب: صحیح ترمذی، جلد ۲/ ۱۸۸، ابواب الدعوات،

(۱۵۵) : ظالمین کا ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب نے ظالم کیا ہے حالانکہ یہاں لفظی ترجمہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کنز الایمان میں جو ترجمہ ہے وہی بہتر ہے (یعنی مجھ سے بے جا ہوا)

(۱۵۶) : مظاہر حق، کتاب اسماء اللہ عز وجل، ۲/ ۲۹۴]

کلمات حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہیں۔ اور مفسرین اور شارحین حدیث نے ان کلمات پر دعا کا اطلاق کیا ہے اور آئندہ کتب حدیث اور محدثین اور فقہا سے بھی ثابت ہوگا کہ کلمات توحید اور تقدیس اور تنزیہ دعا ہیں اور علاوہ بریں رسول اکرم ﷺ نے اجازت دی کہ ہر مومن ان کلمات کے ساتھ دعا مانگے اور بوقت دعا ان کو پڑھے لہٰذا مؤذن وغیرہ بھی اگر ایسی آیتوں کے ساتھ کہ جن میں توحید اور تقدیس اور حمد وتنزیہ ہو دعا مانگیں اور دعا کے وقت میں پڑھیں تو جائز ہے نہ کہ بدعت۔

سوال: یہاں مؤذن وغیرہ اس آیت بالا کے ساتھ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے اور سرور کائنات ﷺ نے ہر مومن کی مطلب برآری کے لئے مفید فرمایا ہے دعا نہیں مانگتے بلکہ الحمد اور قل ھو اللہ شریف کے ساتھ دعا مانگتے ہیں اور دعا کے وقت میں پڑھتے ہیں۔ ہاں اگر حنفیوں یا محدثین کی کسی معتبر اور مستند کتاب سے یہ ثابت کرو کہ حمد اور توحید اور تنزیہ دعا ہے تو ہم یقین کریں گے کہ الحمد اور قل ھو اللہ شریف میں بھی حمد اور تنزیہ ہے تو یہ دونوں بھی دعا میں داخل ہیں؟

جواب: فاتحہ مروجہ میں الحمد اور قل ھو اللہ شریف چند وجہ سے جائز ہے اول یہ کہ الحمد اور قل ھو اللہ میں توحید، حمد اور تنزیہ ثنا ہے اور ثنا دعا ہے۔ چنانچہ ''فتح القدیر'' کہ بڑی مشہور اور علما حنفیہ کی مستند کتاب ہے اس میں مسطور ہے کہ کسی نے ابن عینیہ سے پوچھا کہ رسول اکرم نے ان کلمات یعنی ''**لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر**'' کو کہ حدیث احمد اور ترمذی میں وارد ہیں اور جن میں توحید اور حمد اور تنزیہ ہے کیوں فرمایا کہ دعا ہیں۔ اور حالانکہ دعا اور سوال میں طلب ہوتی ہے اور ان کلمات میں بالکل کسی مطلب کی طلب نہیں ہے۔ تو ابن عینیہ نے ان سب کلمات توحید اور تنزیہ کو ثنا میں داخل کرکے سائل کو یہ جواب دیا کہ ''**الثناء علی الکریم دعاء**'' یعنی خداوند کریم کی ہر ثنا دعا ہے۔ (۱۵۷)

---

(۱۵۷) : فتح القدیر ۲/۳۷۴، کتاب الحج۔۔۔

اب ابن عیینہ کے اس قول سے دو امر معلوم ہوئے اول یہ کہ کلمات توحید، حمد اور تنزیہ جو حدیث بالا میں مذکور ہیں وہ خدائے کریم کی ثنا ہے اور ہر ثنا خدائے کریم کی دعا ہے۔ اور ایسی ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف میں بھی توحید اور حمد و تنزیہ ہے تو بموجب ضابطہ ابن عیینہ ثنا ہو کر دعا میں داخل ہوئے۔ لہٰذا موذن وغیرہ بہ نیت دعا ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ اور دعا میں ان دونوں کو پڑھتے ہیں۔ اب ثابت ہوا کہ بوقت نیت دعا الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا اور ان کے ساتھ دعا مانگنا نہ شرک نہ بدعت ہے بلکہ ایسی آیتوں کے ساتھ دعا مانگنا اور دعا کے وقت میں پڑھنا رسول اکرم ﷺ اور انبیاء قدیم کی سنت اور کلام ربانی اور کتب حدیث و فقہ میں موجود ہے۔ اور ''فتح القدیر'' کی کل عبارت جس میں ''احمد اور ترمذی'' کی حدیث اور ابن عیینہ کے قول کا ذکر ہے نقل کرتا ہوں۔

"انه علیه الصلاۃ و السلام قال خیر الدعاء دعاء یوم عرفة و خیر ما قلت انا و النبیون من قبلی لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر (۱۵۸) وقیل لا بن عیینة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلی الله علیه وسلم دعاءً فقال الثناء علی الکریم دعاء لانه یعرف حاجته" (۱۵۹)

اب عیینہ کا حال سنئے وہ یہ ہے کہ ابن عیینہ طبقہ وسطیٰ یعنی تبع تابعین کے درمیانی طبقہ کے کبار تبع تابعین میں سے ہیں اور امام مالک اور ثوری سے ان کا مرتبہ کم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا رتبہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱۵۸) :الف: مسند احمد بن حنبل ۲/۵۴۸،
ب : صحیح ترمذی، جلد ۱/۲۲، ابواب الدعوات،
(۱۵۹) : فتح القدیر، ۲/۳۷۴، کتاب الحج،

طبقہ صغریٰ یعنی تبع تابعین کے چھوٹے طبقہ میں داخل ہیں۔ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین کے کسی طبقہ میں داخل نہیں۔ چنانچہ ''تقریب التہذیب'' میں مسطور ہے

''السابعة: كبار اتباع التابعين كمالک والثوری

الثامنة: الطبقة الوسطى منهم كابن عيينه وابن عُلَيه

التاسعة: الطبقةالصغرىٰ من اتباع التابعين كيزيد بن هارون، والشافعي،

العاشرة: كبار الآخذين عن تبع الاتباع ممن لم يلق التابعين كأحمد بن حنبل'(۱۶۰)

ابن عیینہ کا نام سفیان ہے اور تقریب التہذیب میں ان کے حالات یوں لکھے گئے ہیں:

''ثقة حافظ فقيه امام، حجة الا انه تغير حفظه باخرة وكان ربما دلس لكن عن الثقات من رؤوس الطبقة الثامنة' (۱۶۱) یعنی ابن عیینہ ثقہ اور حافظ اور فقیہ اور امام اور حجۃ اور تبع تابعین کے آٹھویں طبقہ کے رؤساء سے ہیں لیکن ثقات سے تدلیس کرتے ہیں۔ یعنی اپنی اسناد میں کبھی ثقہ شیخ کا نام نہیں لیتے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث میں تحریر فرمایا ہے کہ جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ تدلیس اس شخص کی کہ جس کا حال معلوم ہو کہ وہ تدلیس نہیں کرتا ہے مگر ثقہ سے تو یہ تدلیس جمہور علماء کے نزدیک قبول ہے جیسا کہ ابن عیینہ کی تدلیس اور شیخ کی عبارت یہ ہے

---

(۱۶۰) : تقريب التهذيب، ص۷۵،

(۱۶۱) : تقريب التهذيب ،ص۲۴۵،

”و ذهب الجمهور الیٰ قبول تدلیس من عرف انه لا یدلس الا عن ثقة کابن عیینة “(۱۶۲)

اب ابن عیینہ کا حال معلوم ہوا کہ درمیانی طبقہ تبع تابعین میں کبار اور روساء علماء میں سے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین کے چھوٹے طبقہ میں ہیں اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ دسویں طبقہ میں سے ہیں۔ اور انہوں نے اخذ حدیث تبع تابعین سے کیا۔ اور تابعین سے اخذ حدیث نہیں کیا اور ابن عیینہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ اور تابعین سے ملاقات کی ہے۔ لہٰذا ابن عیینہ کا رتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ۔ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بدرجہا بڑھ گیا۔ اب تبع تابعین یعنی ابن عیینہ کے قول سے ثابت ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف دعا ہیں اور دعا کے وقتوں میں پڑھنا ان دونوں کا تبع تابعین سے برخلاف نہ ہوا۔ اب اگر کسی عالم کا قول ابن عیینہ کے قول سے جو تبع تابعین میں سے ہیں، برخلاف ہو تو اس عالم کا قول ہم اس وقت مانیں گے کہ علماء فقہا نے بروایات مفتی بہا مجتہدین اس عالم کے قول کو ابن عیینہ کے قول پر ترجیح دی ہو والا فلا۔

سوال: احتمال ہے کہ ابن عیینہ کے اپنے قول بالا میں ”الثناء علی الکریم دعاء“ خاص وہ کلمات مراد رکھے ہوں کہ حدیث احمد و ترمذی میں مذکور ہیں۔ تو بنابریں تقدیر ”الثناء“ سے جو ابن عیینہ کے قول میں وارد ہے ہر فرد ثنا مراد نہیں بلکہ شاید ان کی یہ مراد ہو کہ یہ کلمات توحید و تنزیہ کہ حدیث احمد و ترمذی میں وارد ہیں ثنا اور دعا ہیں نہ ہر توحید و تنزیہ؟

جواب: اگر ابن عیینہ کی یہ مراد ہو کہ خاص یہ کلمات توحید اور تقدیس کہ حدیث احمد و ترمذی میں وارد ہیں ثنا اور دعا ہیں اور باقی کلمات توحید و تنزیہ ثنا نہیں تو بنابریں تقدیر ابن عیینہ کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ”لا الٰه الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین “

(۱۶۲): مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ، ص ۴۔

میں جو کلمات توحید اور حمد اور تقدیس ہیں دعا نہیں ہوں گے۔ اور یہ خلاف کلام ربانی اور حدیث نبوی کے ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں سے ثابت ہوا کہ یہ کلمات دعا ہیں۔ اور نیز مرقات میں مسطور ہے کہ تہلیل اور تحمید کو اس سبب سے دعا کہا جاتا ہے کہ یہ رحمت و مہربانی خدا کا سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم نے یوم عرفہ کی دعا کو جو " لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ الخ"، افضل دعا فرمایا۔ اور "مرقات" کی عبارت یہ ہے :

"سمی التهليل و التحميد دعاء لا نه بمنزلة استجلاب لطف الله تعالیٰ............ و من ذالک صلی الله عليه وسلم افضل الدعاء يوم عرفة لا اله الاالله وحده الخ"(۱۶۳)

اب مرقات کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ہر توحید اور تحمید اور تنزیہ دعا ہے نہ کہ احمد اور ترمذی کی حدیث میں وارد ہے وہی دعا ہے باقی نہیں۔ اور نیز نسائی میں بروایت سعد بن ابی وقاص وارد ہے کہ رسول اکرم صلی الله عليه وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن سے" اشهد ان لا اله الا الله" سنے اور وہ کہے:

"وانا اشهد ان لا الا الله وحدهٗ لا شريک له و ان محمد عبدهٗ ورسولهٗ رضيت با لله ربا و با لاسلام دينا و بحمد رسولا" (۱۶۴)

---

(۱۶۳) : مرقاة المفاتيح شرح مشکوٰة المصابيح، باب التشهد جلد ۲/ ۵۷۵:۵۷۶۔ (تہلیل وتحمید کا نام دعا اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا سبب بننے کی منزل میں ہے..... اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عرفہ کے دن کی افضل دعا "لا الٰہ الا اللہ وحدہ الخ" ہے۔)

(۱۶۴): سنن نسائی، باب الدعاء عندالاذان، جلد ۱/ ۷۹، (اور میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے سے راضی ہوا۔۔۔)

"افضل الذکر لا الہ الا اللہ و افضل الدعاء الحمد للہ"(۱۶۵)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"فاضل ترین دعاہا الحمد للہ ست تسمیہ حمد بدعا بجہت آنست کہ ثنا بر کریم در معنی دعا و سوال ست"(۱۶۶)

اور نیز مولوی قطب الدین خان نقل کرتے ہیں "کہ الحمد لو دعا اس لئے کہا کہ کریم کی تعریف دعا و سوال کے معنی کے درمیان ہے"(۱۶۷) اور نیز مولوی قطب الدین خان صاحب لکھتے ہیں کہ "ذکر بھی حقیقت میں دعا ہے کیوں کہ ذکر اور ثناء کریم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم کو دے"(۱۶۸) چونکہ یہ ثابت ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف توحید اور تنزیہ ہے اور ہر توحید اور تنزیہ ثنا ہے اور ہر ثنا دعا ہے اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بموجب اقوال فقہا مثل طحطاوی وغیرہ ثابت ہے۔ لہذا موذن وغیرہ بعد صدقہ لینے کے بہ نیت دعا ہاتھ اٹھا کر کلمات دعائیہ یعنی الحمد اور قل ہو اللہ شریف وغیرہ جو دعا میں داخل ہیں پڑھتے ہیں۔ اور بہ نیت دعا جو انھوں نے ابتداء ہاتھ اٹھائے تا اختتام دعا یہ ابتدائی نیت کافی ہے۔

فاتحہ مروجہ میں قل ہو اللہ اور الحمد شریف کے پڑھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ الحمد اور قل ھو اللہ شریف جیسے حمد اور توحید اور تقدیس ہے ویسے ہی بموجب فرمودۂ خدائے پاک "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون" (۱۶۹) ذکر بھی ہے اس لئے کہ آیت میں ذکر سے قران شریف مراد ہے۔ اور الحمد اور قل ہو اللہ شریف قرآن شریف میں سے ہیں۔

---

(۱۶۵) : **الف**: سنن ترمذی، باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ، ۲/۱۷۶، **ب**: سنن ابن ماجہ ،باب فضل الحامدین ،صفحہ ۲۶۹،(افضل ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل دُعا الحمد للہ ہے۔ **(۱۶۶)** : اشعۃ اللمعات ،۲/۲۳۰،باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر، (افضل دعا الحمد للہ ہے، حمد کا نام دعا رکھنا اس وجہ سے ہے کہ کریم کی تعریف دعاء و سوال کے معنی میں ہے۔) **(۱۶۷)** : مظاہر حق ،باب ثواب التسبیح الخ ،جلد ۲/۲۷۷، **(۱۶۸)** :مظاہر حق **(۱۶۹)**: پارہ ۱۴، سورۂ حجر آیت ۹، ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں [ترجمہ کنز الایمان]

اور نیز نسائی میں وارد ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا:

" فقال ان الله عزوجل یعنی احدث فی الصلوة ان لا تکلموا الا بذکر الله"(١٧٠)

یعنی اللہ تبارک تعالیٰ نے نماز کے اندر ذکر خدا کے سوا اور بات کرنے کو منع فرمایا ہے۔اور بالاتفاق نماز میں الحمد کا پڑھنا واجب اور قل ھو اللہ کا جائز ہے تو بموجب اس حدیث شریف کے دونوں ذکر خدا میں داخل ہوئیں اور "شامی" میں مسطور ہے کہ خبر میں وارد ہے:

"من شغلہ ذکر ی عن مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" (١٧١) یعنی جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکا، میں اس کو اس چیز سے بہتر دیتا ہوں۔

لہٰذا بموجب اس خبر کے بوقت دعا اذکار الٰہی پر مشغول ہونا خواہ وہ الحمد اور قل ھو اللہ ہو یا غیر ہما جائز ہے۔اور دعا اور سوال سے اس کا نتیجہ بہتر ہے اور یہ احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ فضیلت جو خبر بالا میں وارد ہے اسی ذکر کی ہے جو ذکر کہ کلام الٰہی سے غیر ہو۔ جو ذکر کہ کلام الٰہی سے غیر ہو اس کو اتنی فضیلت حاصل ہے کہ سوال اور دعا سے بہتر ہے تو جو ذکر کہ کلام الٰہی میں وارد ہو بطریق اولیٰ دعا اور سوال سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ "ترمذی" نے بروایت ابو سعید رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کی ہے:

"فضل کلام الله علی سائر الکلام کفضل الله علی خلقه"(١٧٢)

یعنی قرآن کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے خدائے پاک کی فضیلت مخلوق پر۔

---

(١٧٠):سنن نسائی، باب الکلام فی الصلاۃ ،جلد ١/ ١٣٧]

(١٧١) :**الف**: فتاوی شامی، کتاب الحج ،مطلب الثناء علی الکریم دعاء، جلد٣/ ٥٢٣،**ب**: شعب الایمان للبیھقی،٢/ ١٣٩،**ج**: مسند الفردوس، ١/ ٢٩٩، **د**: مسند الشھاب، ٣٣٠١،**(١٧٢)**:الف:سنن ترمذی،باب ماجاء کیف قراءۃ النبی صلی الله علیه وسلم،٢/ ١٢٠ ،**ب**: سنن الدارمی، باب فضل کلام الله علی سائر الکلام،٢/ ٥٣٣،

اب اس سے ثابت ہوا کہ قرآن میں مشغول ہونا سب ذکروں اور دعاؤں سے کہ ماسوا کلام اللہ کے ہوں بہتر اور افضل ہے۔ چنانچہ اس حدیث بالا کی ابتداء میں وارد ہے :

"یقول الرب تبارک و تعالیٰ من شغله القرآن عن ذکری ومسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین" (۱۷۳)

یعنی اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو قرآن نے روکا ذکر اور سوال سے جو غیر قرآن ہے تو اس کو دوں گا بہتر وہ چیز جو سب سائلوں کو دیتا ہوں۔

مشغول ہونا کلام اللہ میں کئی قسم پر ہے جیسے پڑھنا اور یاد کرنا اور کلام ربانی کے معنی میں تامل اور غور کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ یہ گمان بھی نہ کرنا چاہئے کہ ذکر خدا کے ساتھ باقی ادعیہ نہ ملائی جائیں بلکہ اگر خدائے پاک کا ذکر اور توحید وتنزیہ کے ساتھ اور ادعیہ بھی ملائی جائیں اور کلام اللہ کی آیتیں بھی پڑھی جائیں تو یہ بھی سنت رسول اکرم اور موجب اجابت وقبولیت ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ جو شخص رات سے اٹھے اور یہ کلمات "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر' الحمد لله و سبحان الله و لا اله الا الله و الله اکبر و لا حول و لا قوة الا بالله" پڑھے، بعدہ دعا مانگے تو اس کی دعا مستجاب اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز قبول کی جائے۔ اور حدیث کی عبارت یہ ہے :

"ثم قال اللهم اغفر لی او دعااستجب له فان توضأ وصلی قبلت صلوته" (۱۷۴)

---

(۱۷۳): سنن ترمذی، باب ماجاء کیف قراءة النبی صلی الله علیه وسلم، ۲/۱۲۰۔

(۱۷۴): صحیح بخاری، جلد ۱/۱۵۵، باب فضل من تعار من اللیل فصلی

اس حدیث میں "لا اله، سے" الحمد" تک کلمات توحید وتقدیس وتنزیہ ہیں اور "وهو علی کل شیء قدیر" آیت ہے اور "سبحان الله، سے" الا بالله" تک نیز کلمات حمد وثنا موجود ہیں اوراس کے بعد کلمات دعائیہ ہیں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن کی آیت دعا سے پہلے پڑھنا جائز ہے اور نیز حدیث دیگر بروایت ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہا انھوں نے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت رات کو جاگتے تھے فرماتے تھے :

"لا اله الا انت سبحانک اللهم استغفرک لذنبی واسألک رحمتک اللهم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذ هدیتنی وهب لی من لدنک رحمةانک انت الوهاب"(۱۷۵)

اس حدیث میں "سبحانک" کے بعد "اذ هدیتنی" تک سب کلمات دعائیہ ہیں مگر کلام اللہ کی آیتیں باقی کلمات دعائیہ کے بعد پڑھنی جائز ہیں۔ اور نیز حدیث دیگر سے کہ "نسائی" میں بروایت علی کرم اللہ وجہ وارد ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم نے پہلے یہ آیتیں کلام اللہ شریف کی پڑھیں" وجهت وجهی للذی فطر السموات و الارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی الآیة اور ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد سرور اکرم نے یہ دعا مانگی "فاغفر لی ذنوبی جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت واهدنی لاحسن الاخلاق (الحدیث)(۱۷۶)

---

(۱۷۵): سنن ابوداؤد، جلد ۲/ ۶۹۰، کتاب الادب، باب مایقول الرجل اذاتعار من اللیل، (تیرے سوا کوئی معبود نہیں پاکی ہے تجھے اے اللہ میں تجھ سے اپنی بخشش کا طلبگار ہوں اور تجھ سے تیری رحمت مانگتا ہوں اے اللہ میرے علم کو زیادہ فرما اور میرا دل ٹیڑھا مت فرما بعد اس کے تو نے مجھے ہدایت دی اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔)

(۱۷۶): سنن نسائی ،باب الدعاء بین التکبیر والقراءة، ۱/ ۱۰۳، پوری حدیث پاک اس

چونکہ ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم نے کلام اللہ کی آیتیں دعا کے قبل اور بعد میں پڑھی ہیں۔ اور ایسی دعا پڑھنا بغیر نماز بھی جائز ہے اب رہی یہ بات کہ جس وقت قراءت کلام اللہ کا ثواب اموات کو پہنچانا منظور ہو تو یہ قراءت دعائے ایصال ثواب سے قبل ہو یا بعد۔ اب سن لو کہ حنفیہ اور متاخرین شافعیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ دعائے ایصال ثواب سے قبل قراءتِ قرآن ہونی چاہئے تاکہ قاری مستحق ثواب ہو بعدۂ غیر کو بذریعہ اس قراءت کے نفع پہنچاوے اور یہ ثواب ہدیہ کرے مگر حنفیوں کے نزدیک اگر قاری سے ہو سکے تو سورۂ فاتحہ (یعنی الحمد اللہ) اخیر تک اور ابتدائے سورۂ بقر سے مفلحون تک اور آیۃ الکرسی اور امن الرسول اور سورۂ یٰس اور تبارک الملک اور سورۃ اخلاص بارہ، گیارہ، سات یا تین مرتبہ پڑھے بعدۂ قاری یہ دعا مانگے اے بارخدایا! جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب ان لوگوں کو یعنی اموات کو پہنچا چنانچہ ''شامی'' نے شرح لباب سے نقل کیا ہے:

''وفی شرح اللباب و یقرا من القرآن ما تیسر له من الفاتحة و اول البقرة الی المفلحون و آیة الکرسی و آمن الرسول و سورة یس و تبارک الملک و سورة التکاثر والاخلاص اثنی عشر مرة او عشرا وسبعا او ثلثا ثم یقول اللهم او صل ثواب ما قرأناه الی فلان او الیهم''(۱۷۷)

طرح ہے''عن علی رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا استفتح الصلوة کبر ثم قال وجّهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی (بقیہ اگلے صفحہ پر)
لله رب العلمین لا شریک له وبذلک امرت وانا من المسلمین اللهم انت الملک لا اله الا انت انا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت واهدنی لاحسن الاخلاق الخ۔

چونکہ کتب حنفیہ سے الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا اور ان کا ثواب اموات کو پہنچانا ثابت ہوا وہ آیتیں اور سورتیں جو شامی نے شرح لباب سے ثابت کیں "قل ھو اللہ شریف" اور "الحمد شریف" کے ساتھ ملا کر کے پڑھتے ہیں اور اس کو اپنی اصلاح میں پنج آیت کہتے ہیں اور ان آیتوں اور سورتوں کی فضیلت اور ان کا موجب نجات ہونا احادیث صحاح سے ثابت ہے مگر بخوف طوالت ان حدیثوں کو نقل نہیں کیا۔ اور حنفی کہتے ہیں کہ اس کا عین ثواب پہنچائے اور متاخرین شافعیہ کا قول ہے کہ اگر میت غائب ہو تو قاری اولاً قرآن پڑھے اس لئے کہ قرآن کے سبب سے رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے اور دعا قراءت قرآن کے بعد قوی امید ہے کہ قبول ہوتی ہے بعدہٗ یہ کہے۔ کہ اے بار خدایا جو کچھ مین نے پڑھا اس کے ثواب کے مثل اموات کو پہنچا۔ چنانچہ "شامی" میں مسطور ہے

"والذی حررہ المتاخرون من الشافعیة وصول القراء ة للمیت ان کانت بحضرته اودعی له عقبها ولو غائبا لان محل القراء ة تنزل الرحمة والبرکة والدعاء عقبها ارجی للقبول و مقتضاہ ان المراد انتفاع المیت بالقراۃ لا حصول ثوابها له ولھذا اختاروافی الدعاء اللھم اوصل مثل ثواب ما قرأته لفلان واما عندنا فالواصل الیه نفس الثواب" (۱۷۸)

---

(۱۷۷) : فتاوی شامی، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ۳/۱۵۱، (اور شرح لباب میں ہے اور پڑھے قرآن میں سے جو آسان ہو اس کے لئے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے شروع سے مفلحون تک اور آیت الکرسی اور آمن الرسول اور سورۂ یس اور سورۂ تبارک اور سورۂ تکاثر اور سورۂ اخلاص بارہ یا دس یا سات یا تین بار پھر کہے یا اللہ ہم نے جو کچھ پڑھا اس کا ثواب فلان کو یا ان سب (یعنی دیگر اموات) کو عطا فرما۔)

(۱۷۸) : فتاوی شامی، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی القراء ة للمیت واھداء ثوابھاله، ۳/۱۵۲، (اور وہ جو لکھا ہے متاخرین شوافع نے کہ قراءۃ کا پہونچنا میت کے لئے

سوال : آپ کے اقوال بالا سے معلوم ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ یہ لوگ بہ نیت دعا پڑھتے ہیں پھر اموات کو قراءۃ کا ثواب پہنچانا کیسے ہوگا؟

جواب: اگر ان دونوں کو بہ نیت دعا پڑھے یا قراءۃ کچھ مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ جیسے قراءۃ عبادت ہے ویسے ہی دعا بھی عبادت ہے اور بندہ کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب اگرچہ دعا ہو غیر کو پہنچائے چنانچہ "شامی" میں مسطور ہے

"للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً او صوماً او صدقةً اوغیرها، کذا فی الهدایة" (۱۷۹)

اور نیز "عالمگیری" میں مسطور ہے کہ ہر انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ خواہ نماز یا روزہ یا صدقہ ہو یا ذکر و قراءۃِ قرآن۔ اور زیارت قبور انبیاء و اولیاء اور صالحین اور تکفین موتی ہو علی ھذا القیاس جمیع اقسام حسنات کا یہی حکم ہے اور "عالمگیری" کی عبارت یہ ہے:

"أن الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة کان او صوما او صدقة اوغیرها کالحج و قراءة القرآن والاذکار و زیارة قبور الانبیاء علیهم الصلوة و السلام و الشهداء والاولیاء والصالحین و تکفین الموتی و جمیع انواع البر" (۱۸۰)

ثابت ہے اگر میت کے سامنے ہو یا قراءۃ کے بعد میت کے لئے دعا کرنا اگر میت غائب ہو اس لئے کہ قراءۃ کی جگہ (یعنی جہاں قراءت ہو) رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور قراءۃ کے بعد دعا کے قبول ہونے کی امید ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ مراد میت کا فائدہ اٹھانا ہے قراءۃ کے ذریعہ نہ یہ کہ قراءۃ کا ثواب حاصل کرنا ہے میت کے لئے اور اسی سبب شوافع نے دعا میں یا اللہ جو پڑھا اس کے ثواب کے مثل فلاں کو پہونچا، کو پسند کیا ہے اور لیکن احناف کے نزدیک میت تک پہونچنے والی چیز عین ثواب ہے۔

(۱۷۹) فتاوی شامی باب صلاۃ الجنازہ مطلب فی زیارۃ القبور ۱۵۱/۳

(۱۸۰) : فتاوی عالمگیری، باب فی الحج عن الغیر، ۲۵۷/۱،

جواب الزامی: یعنی فاتحہ مروجہ میں الحمد اور قل ہواللہ شریف کا ثبوت اس ضابطہ اور قاعدہ سے کرتا ہوں کہ جانب مخالف کے نزدیک بہت صحیح اور ان کے زعم میں ان کے مفید مدعا ہے۔ اور جانب مخالف اس قاعدہ کو اپنے عقائد کی جڑ کاٹنے والا نہ سمجھ کر یکے بر سرِ شاخ و بن می برید؛ (١٨١) کا مصداق ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ جانب مخالف نے اپنی اتباع سنت کے صفحہ ١۵ میں لکھا ہے :

"کہ مسلم شریف میں حدیث موجود ہے **لاصلٰوۃ بحضرۃ الطعام** اور صلاۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دُعا درست نہیں ہے۔ فاتحہ مروجہ کی ممانعت صریح حدیث میں موجود ہوئی۔"

١ قول: بنا بر ترجمہ جانب مخالف اس حدیث "بخاری ومسلم" "**لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**" (١٨٢) اور نیز اس حدیث متفق علیہ "**لا تقبل صلاۃ من احدث حتیٰ یتوضأ**" (١٨٣) کے معنی یہ ہوں گے کہ دعا بغیر سورۂ فاتحہ جائز نہیں ہے اور دعائے مروجہ بغیر وضو درست نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک صلاۃ کا استعمال دعا میں شائع ہے اور باقی اس بحث کا مالہٗ وماعلیہ ابتدأ کتاب میں لکھ چکا ہوں، جس کا جی چاہے دیکھ لے (تو بر بنا قول جانب مخالف ہمارے مطلب سے زائد امر ثابت ہوا۔ اس لئے کہ ہم الحمد اور قل ہواللہ شریف کا پڑھنا بوقت دعا مرسومہ جائز ومستحب جانتے ہیں) اور بر بنا ترجمہ جانب

---

(١٨١) :ایک شخص ٹہنی کے اوپر بیٹھ کر جڑ کاٹ رہا ہے۔ **(١٨٢)** :**الف**:صحیح بخاری، ١/١٠۴ ،باب وجوب القراءۃ للامام والماموم ،**ب**: صحیح مسلم ،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، ١/١٦٩، (اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی)**(١٨٣)** :**الف**: صحیح بخاری، ١/٢۵،کتاب الوضوء ،باب لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور،**ب**: صحیح مسلم ، ١/١١٩،باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ، (اس شخص کی نماز قبول نہیں جسے حدث لاحق ہو یہاں تک کہ وضو کرے۔)

مخالف واجب ہوا۔ اور اگر جانب مخالف یہ کہے کہ فاتحہ مرجّجہ میرے نزدیک دعا نہیں ہے بلکہ شرک و بدعت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک سوائے دعائے مرجّجہ کے کوئی اور دعا مستحب یا مسنون ہوگی یا نہیں؟ اگر کوئی دعا آپ کے نزدیک مستحب یا مسنون ہو تو اس دعا میں بربنا آپ کے قاعدہ کے فاتحہ پڑھنا واجب اور وضو کرنا اس دعا کے لئے فرض ہوگا اور یہ خلاف اجماع امت اور مسلمات جانب مخالف کے ہے اور ثانی بالکل باطل ہے اور نیز بروایت ''مسلم'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ جس نے تین آیتیں کلام اللہ کی صلاۃ میں پڑھیں تو وہ تین اونٹنیوں کے فائدے سے بہتر ہے اور وہ حدیث یہ ہے :

''عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايحب احدكم اذا رجع الى اهله ان يجد فيه ثلث خلفات عظام سمان فلنا نعم قال فثلاث آيات يقرأبهن احدكم فى صلاته خير له من ثلث خلفات عظام سمان'' (۱۸۴)

بموجب قاعدۂ جانب مخالف اگر صلاۃ سے دعا مراد ہو تو بوقتِ دعا قرآن شریف کی آیتیں موجب ثواب عظیم ہوں گی نہ شرک و بدعت اور اس کی پوری بحث گذر چکی۔

سوال ۴: جانب مخالف کا چوتھا سوال یہ ہے کہ ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز اور قرون ثلاثہ میں ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱۸۴) : الف،صحیح مسلم ،باب فضل قراءة القرآن فى الصلاة،۱/ ۲۷۰
،ب:سنن ابن ماجه،۲۶۷،باب من كان معه سهام فلياخذ بنصالها،
ج: شعب الايمان للبيهقى، فصل فى استحباب القراءة فى الصلاة،۵/ ۲۵۵،
(حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر جائے تو گھر میں تین حاملہ بڑی موٹی اونٹنیاں پائے ہم نے کہا ہاں تو سرکار نے فرمایا تم میں سے جو کوئی اپنی نماز میں تین آیتیں پڑھے تو وہ اس کے لئے ان تین اونٹنیوں سے بہتر ہے۔)

جواب: مردوں یا زندوں کو اپنی زبان سے ثواب پہنچانا اور یہ کہنا کہ اس کا ثواب فلاں کے لئے ہے یا یہ کہنا کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ چنانچہ بروایت ابوداؤد و نسائی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ

"عن سعد بن عبادة انه قال یا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقه افضل قال الماء فحفر بیرا و قال هذه لام سعد" (۱۸۵)

یعنی حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سعد کی ماں مر گئی، کون سا صدقہ بہتر ہے سرور اکرم ﷺ نے فرمایا، پانی۔ پس انہوں نے کنواں کھودا۔ اور کہا" هذه لام سعد" یعنی یہ صدقہ اُم سعد کے لئے ہے۔"

شیخ عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اس عبارت حدیث" وقال هذه لا م سعد" کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"وگفت ایں چاہ برائے ام سعد ست و برائے اوست تا ثواب این بروح وے برسد۔" (۱۸۶)

مولوی قطب الدین خانصاحب نے عبارت بالا کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اور کہا یہ کنواں صدقہ ہے سعد کی ماں کے لئے" (۱۸۷)

اس حدیث شریف اور شارحین کے ترجموں سے ثابت ہوا کہ علاوہ نیت کے اگر زبان سے ایصال ثواب اموات کے لئے کریں تو یہ مستحب اور موافق حدیث ہے۔ اس

---

(۱۸۵) :**الف**: سنن ابوداؤد، باب فی فضل سقی الماء، ۱/۲۳۶،

ب : سنن نسائی، باب فضل الصدقة عن المیت، ۲/۱۱۵،

(۱۸۶): اشعة اللمعات، باب فضل الصدقة، ۲/۵۲،

(۱۸۷): مظاہر حق، کتاب الزکوۃ، باب فضل الصدقۃ،

لئے کہ شارحین نے "قال" کا ترجمہ گفتار اور کہا، لکھا ہے۔ نیز بروایت ابوداؤد صالح بن درہم سے ﷺ سے وارد ہے کہ:

"وہ بہ ارادۂ حج گئے تھے کہ اچانک (انھوں نے دیکھا کہ) ایک شخص کھڑا تھا (یعنی حضرت ابوہریرہ ﷺ) پس اس (شخص) نے کہا کہ تمہارے پاس اُبلہ نامی بستی ہے۔ ہم نے کہا کہ ہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم میں سے کون میرے لئے ذمہ لیتا ہے کہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعت پڑھے اور کہے "**ھذہ لا بی ھریرۃ**" یعنی اس کا ثواب ابو ہریرہ کے لئے ہے۔ (۱۸۸)

چنانچہ "لمعات" میں مسطور ہے "**ان معناہ ثواب ھذہ الصلاۃ لا بی ھریرۃ**" (۱۸۹)

نیز مولوی قطب الدین خانصاحب نے مظاہر الحق میں اس عبارت حدیث کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اور کہے اس نماز کا ثواب ابوہریرہ کے لئے ہے۔" (۱۹۰)

اب بموجب ترجمہ مولوی قطب الدین خاں صاحب حدیث سے ثابت ہوا کہ قلبی نیت کے علاوہ زبان سے اموات کے لئے ایصال ثواب کرنا مستحب اور حدیث سے ثابت ہے۔

"شامی" میں شرح لباب سے منقول ہے کہ قاری پڑھے قرآن سے جو اس کو میسر ہو۔

---

(۱۸۸): سنن ابوداؤد، ۲/۵۹۲، باب فی ذکر البصرۃ، عربی عبارت اس طرح ہے "ابراھیم بن صالح بن درھم قال سمعت ابی یقول انطلقنا حاجین فاذا رجل فقال لنا الی جنبکم قریۃ یقال لھا الابلۃ قلنا نعم قال من یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین او اربعا ویقول ھذہ لابی ھریرۃ الخ۔

(۱۸۹): لمعات، بحوالہ مشکوۃ، باب الملاحم، ۲/۴۶۸، حاشیہ نمبر ۱۱، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نماز کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے

(۱۹۰): مظاہر حق، باب الملاحم، ۴/۳۱۷،

(قولہ ویقرأ یٰسٓ)لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس خفف اللہ عنهم یومئذ وکان لہٗ بعدد من فیھا حسنات،بحر: و فی شرح الباب ویقرأ من القران ما تیسر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی وآمن الرسول و سورة یس وتبارک الملک وسورة التکاثر و الاخلاص اثنی عشر مرة او عشر او سبعا او ثلثا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیھم "(۱۹۱)

یعنی الحمد اللہ، اور سورۂ بقر مفلحون تک اور آیۃ الکرسی۔ اور آمن الرسول اور سورۂ یس اور تبارک الملک اور سورۂ تکاثر اور اخلاص (میں) سے بارہ یا دس یا سات یا تین مرتبہ پڑھے پھر کہے اے بارخدا! جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کی طرف پہنچا (یعنی ایک شخص کا نام لے) یا ان کی طرف پہنچا (یعنی ایک جماعت کو ثواب پہنچا دے)

سوال۵ : ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ طعام پختہ مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھا جاتا ہے اور وہ اس پر ہاتھ اٹھا کر قرآن پڑھتا ہے اور اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے اور بدون اس ہیئتِ کذائی کے ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا؟

جواب: اور باتوں کا جواب تو گذر چکا مگر آخری بات (یعنی کہ بدون اس ہیئت کذائی کے ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا) کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر اس ہیئت کذائی کے کہ جس میں یہ طعام پختہ بھی داخل ہے ثواب اس طعام پختہ کا نہیں ہوتا اگر ہو بھی تو اس طعام پختہ کا ثواب دوسری ہیئت میں ہوگا اس لئے کہ یہ لوگ فقراء اور صالحین کو طعام پختہ بغیر اس ہیئت کذائی کے بھی دیتے ہیں اور وہاں بھی نیت ایصال ثواب اموات کے

---

(۱۹۱) : فتاوی شامی، باب صلاة الجنازة، ۱۵۱/۳،

لئے کرتے ہیں اور جائز بھی جانتے ہیں۔ اور زبان سے بھی جائز کہتے ہیں۔ اور (جانب مخالف کو معلوم ہونا چاہیے کہ) مسلمانوں پر تہمت لگانے اور افترا باندھنے کا بڑا سخت گناہ ہے اور اس میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔

اور اس سوال کے اخیر میں جانب مخالف نے صفحہ ۱۰ میں یہ فقرہ بھی لگایا ہے کہ

''اکثر کا تو عقیدہ یہ ہے مگر بعض اہل ہند زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہیئت خاص ضروری نہیں لیکن عمل ان کا بھی اس تخصیص پر ایسا ہے جیسا کہ ضروری یا واجب پر ہوتا ہے کیونکہ عوام کے نزدیک تارک فاتحہ مرجبہ وغیرہ بدعات کا مورد طعن ہے۔ بلکہ تارک صوم وصلاۃ یا مرتکب کبیرہ مثل حلق ریش وغیرہ ان کے نزدیک نہ مورد طعن ہے اور نہ وہابی البتہ بدعات مذکورہ کا تارک ان کے نزدیک سخت مورد طعن ہے اور فاسق بلکہ اس کو دائرۂ اسلام سے خارج جانتے ہیں یہی علامت واجب اعتقاد کرنے کی ہوتی ہے۔ آیا یہ امور شرعاً جائز ہیں یا نہیں۔ قرون ثلثہ میں ثابت ہیں یا نہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف کا یہ فقرہ (ان امور کو نہ فرائض نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) محض غلط وخلاف واقع ہے۔ مگر مؤلف نے یہ سوال جو مطابق واقع تھا نہ کیا۔ بلکہ اپنی طرف سے چند سوال بنا کر لکھے'' **وھل ھذا الا تزویر وتلبیس** ''(۱۹۲)

اقول: جانب مخالف کے قول بالا کی اول عبارت آخر عبارت کو رد کرتی ہے۔ اس لئے کہ اوّل میں لکھتا ہے کہ بعض اہل ہند زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہیئت خاص ضروری نہیں اور اسی قول کے آخر میں لکھتا ہے کہ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا یہ فقرہ کہ (ان امور کو نہ فرائض نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) محض غلط وخلاف واقع ہے۔ اب میں جانب مخالف سے یہ کہتا ہوں کہ تم نے خود اپنے اول قول میں اقرار کیا کہ ہند میں بعض ایسے لوگ ہیں کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہیئت خاص (یعنی فاتحہ مرجبہ میں) ضروری یعنی فرض اور واجب نہیں ہے

---

(۱۹۲): اور یہ دھوکہ ہے،

اور مولانا صاحب مدظلہ سے بھی ایسے ہی لوگوں نے استفسار کیا اور کہا ہے کہ ہم فاتحہ مروجہ میں کسی ہیئت خاص کو فرض اور واجب نہیں جانتے ہیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔تو مولانا صاحب نے ان کا سوال ''دعائے برکت'' میں مندرج کر کے حدیث سے جواب دیا ہاں اگر ہند کے سب عاملین فاتحہ مروجہ ان امور اور کسی ہیئت خاص کو واجب جانتے تو مولانا صاحب کا سوال خلاف واقع اور ان کا جواب فرضی اور بناوٹی سوال کا جواب ہوتا اور چونکہ آپ کے اقرار سے ثابت ہوا کہ بعض اہل ہند اس ہیئت خاص فاتحہ مروجہ کو زبان سے ضروری یعنی فرض و واجب نہیں کہتے ہیں۔تو مولانا صاحب سے بھی ایسے ہی لوگوں نے سوال کیا کہ فاتحہ مروجہ کی ہیئت خاص کو فرض و واجب نہیں جانتے لہٰذا مولانا صاحب نے دعائے برکت میں یہ فقرہ تحریر فرمایا (چونکہ ان امور کو نہ فرائض اور نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) تو استحباب اور جواز ان امور کا احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

جانب مخالف کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ان امور کے فرض اور واجب جاننے کا قرینہ یہ بتایا کہ ان لوگوں کے نزدیک تارک فاتحہ مروجہ وغیرہ مورد طعن ہے اور تارک صوم وصلاۃ وغیرہما ان کے نزدیک مورد طعن نہیں اور نہ وہابی اور صفحہ ۱۸ اتباع السنۃ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تارک فاتحہ مروجہ کو وہابی کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ ہر تارک فاتحہ مروجہ کو برا نہیں کہتے اس تارک کو برا جانتے ہیں جو کہ اس فاتحہ مروجہ کو حرام اور ناجائز جان کر ترک کرے۔اس لئے کہ فاتحہ مروجہ کے جمیع اجزاء جائز اور حلال قرآن اور حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہو چکے۔اور جو کوئی امر جائز کو ناجائز یا حلال کو حرام بتائے وہ بلا شک سب کے نزدیک تارک صوم وصلاۃ وغیرہما سے بدتر ہے۔اس لئے کہ تارک صوم وصلاۃ اگرچہ گناہ کرتا ہے مگر اپنے گناہ کا اقرار بھی کرتا ہے۔اور جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام نہیں جانتا ہے۔اور گناہگار کا رتبہ حلال کو حرام سمجھنے والے سے بہتر ہے اور یہ زیادہ مورد طعن ہے نہ گناہگار۔عالمگیری وغیرہ میں اس کی تفصیل

موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھے۔

اب ثابت ہوا کہ ان لوگوں یعنی عاملین فاتحہ مروجہ شریفہ کے نزدیک یہ امور جائز اور مستحب ہیں اور لوگ ان امور کے جواز سے منکر ہیں ان کو برا جانتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ لوگ ان امور مقدسہ کو فرض و واجب جان کر مخالفین کو برا جانتے ہوں۔ باقی رہا وہابی وغیر وہابی کا جھگڑا چونکہ میں اہل سنت و جماعت مقلد حنفی المذہب ہوں اور مجھ کو سوائے تقلید کے اور چارہ نہیں ہے لہذا جو مسئلہ اہل سنت و جماعت کی کتابوں میں دیکھتا ہوں اس کو نقل کرتا ہوں اور اپنی طرف سے کسی فرقہ کے لئے نام نہیں تراشتا ہوں لہذا جن کو اہل سنت و جماعت کی کتابوں میں معتزلہ لکھا ہے ان کو معتزلہ جانتا ہوں اور جس کو خارجی لکھا ہے اس کو خارجی تصور کرتا ہوں اور ''شامی'' جو اہل سنت و جماعت کی بہت معتبر کتاب ہے اور علمائے ہند وغیرہ کا اس کی روایتوں پر عمل ہے اس میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جن خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کیا تو وہ صحابہ کرام کو کافر کہتے تھے مگر جمیع خارجی ایسے نہیں ہیں جیسے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے تابعداران کہ انہوں نے نجد سے خروج کیا۔ اور حرمین شریفین پر غالب ہو گئے۔ اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب کہتے تھے لیکن وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقائد کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اور اس سبب سے اہل سنت اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی شوکت توڑی اور ۱۲۳۳ھ میں اہل اسلام کے لشکر اُن پر غالب ہوئے اور خدا نے ان کے بلاد کو خراب کیا۔ اور ''شامی'' کی عبارت یہ ہے:

''قوله (ويكفرون اصحاب نبينا صلى الله عليه وسلم)
علمت ان هذا غير شرط في مسمى الخوارج ،بل هو بيان
لمن خرجوا على سيدنا على رضى الله تعالىٰ عنه والا
فيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه، كما وقع في

زماننافی اتباع عبدالوهاب (۱۹۳) الذين خرجو ا من نجد وتغلبواعلى الحرمين و كانواينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقد واانهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوابذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله تعالىٰ شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف" (۱۹۴)

عبدالوہاب نجدی کے تابعداروں کا حال فتاوی شامی سے معلوم ہوا اور نیز علماء کا اس قول شامی پر عمل ہے چنانچہ "نسائی" (۱۹۵) جلد ثانی مطبوعہ مطبع نظامی کے حاشیہ پر

---

(۱۹۳) : پورا نام محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۲۰۶ھ ہے۔ عبارت میں عبدالوہاب نجدی لکھا ہوا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالوہاب حنبلی کا ناخلف لڑکا محمد بن عبدالوہاب نجدی گمراہ وخارجی ہے۔ اوراس کے والد عبدالوہاب متوفی ۱۷۴۰ء/۱۱۵۳ھ سنی صحیح العقیدہ مسلمان اور علماءِ صالحین میں سے تھے، جیسا کہ علامہ جمیل آفندی عراقی نے الفجر الصادق میں لکھا ہے "كان ابوه عبد الوهاب وهو من العلماء الصالحين ....ويحذر الناس منه" اس کے باپ عبدالوہاب علماءِ صالحین میں سے تھے اور وہ لوگوں کو اس سے بچاتے تھے۔ شیخ علی طنطاوی نے لکھا کہ "ولم يرتض ابوه هذالمسلك منه ولم يقره عليه وكان يوثر المسالمة ويكره العنف فنهاه" اوراس کے والد اس کے اس کارنامہ سے ناراض ہوئے اوراس کو اس پر سرزنش کی، وہ صلح جو شخص تھے۔ جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے، انہوں نے اُس کو اِس کام سے منع فرمایا الخ یہ باتیں "تاریخ نجد وحجاز تصنیف از مفتی عبدالقیوم قادری" سے ماخوذ ہیں۔

(۱۹۴) : فتاوی شامی، باب البغاة، مطلب فی اتباع عبد الوهاب الخوارج فی زماننا، ۶/ ۴۰۳،

(۱۹۵) : حاشیہ نسائی کی عربی عبارت یہ ہے" قدوقع خروجهم مرارأافاده العيني ،وقال الشامی كماوقع فی زمانناخروج اتباع (محمدبن) عبدالوهاب الذين خرجوامن نجدالخ [سنن نسائی، جلد۲/ ۱۳۴، حاشیہ ۵۔

بموجب اس عبارت شامی کے تابعداران عبدالوہاب کو خارجیوں میں سے سمجھا۔(۱۹۶) اور نیز جناب مولوی صاحب مدظلہٗ نے دعائے برکت میں یہ ثبوت حدیث میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یوم خندق میں رسول اکرم کی چند اشخاص کے ساتھ ضیافت کی۔اور رسول اکرم نے سب اہل خندق کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ضیافت کو بلایا۔اور جابر رضی اللہ عنہ سے کہا آٹا مت پکاؤ۔اور ہانڈی مت اتارو۔جب تک کہ میں آؤں جب رسول اکرم تشریف لائے۔تو انہوں نے دعائے برکت فرما کر ہانڈی اور آٹے میں لعاب دہن مبارک ڈالا۔"

چنانچہ حدیث کی عبارت یہ ہے

"فاخرجت لهٗ عجينا فبصق فيه و بارک ثم عمد الى برمتنا فبصق وبارک (الحديث)(۱۹۷)

یعنی رسول اکرم نے آٹے اور ہانڈی میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور دعائے برکت فرمائی۔

---

(۱۹۶): نیز محمد بن عبدالوہاب نجدی کے تعلق سے دیابنہ کے شیخ الہند یعنی مولوی حسین احمد مدنی صاحب اپنی کتاب الشہاب الثاقب (جو سنی حضرات کے نزدیک گالی نامہ کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو کئی سو گالیاں دی گئیں ہیں) میں لکھتے ہیں "محمد بن عبدالوہاب نجدی.....خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا...الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا الخ" [الشہاب الثاقب ص ۵۴] لیکن اس کے برعکس انہیں دیوبندیوں کے دوسرے مولوی جو ان کے نزدیک قطب الارشاد، امام ربانی ہیں یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں محمد بن عبدالوہاب کے تئیں اپنے نظریات کو اس طرح صفحہ قرطاس پر انڈیلتے ہیں "محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا...عامل بالحدیث تھا بدعت وشرک سے روکتا تھا" دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے...مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں...عقائد سب کے متحد ہیں الخ [فتاوی رشیدیہ ۲۴۱، ۲۴۲]

(۱۹۷): **الف:** صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق، ۲/۵۸۹،

ب: صحیح مسلم، ۲/۱۷۸، باب جواز استتباعہ الخ،

اور جانب مخالف نے صفحہ (۲۱۴) اتباع سنت میں یہ لکھا ہے کہ

''حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں لفظ'' بصق و بارک ''مذکور ہے یعنی آنحضرت نے طعام پر تھوکا اور برکت بمعنی زیادتی چاہی اور آگے چل کر لکھا ہے۔ ہاں تھوکنا ثابت ہوتا ہے نہ فاتحہ مروجہ اور حدیث ''لا یتنفس فی الاناء'' سے اس کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے بس حدیث (یعنی حدیث جابر رضی اللہ عنہ) قابل استدلال نہ رہی۔ پھر اگر ثابت ہوا تو تھوکنا''

اقول جانب مخالف نے جو'' بصق'' کے معنی یہ بیان کئے کہ سرور اکرم نے طعام پر تھوکا اس میں چند غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ اردو کے محاورہ میں ایک چیز پر تھوکنا اس کی حقارت ہے اور قطع نظر اس سے یہ معنی شراح حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب ''فبصق'' کے معنی یہ لکھتے ہیں: ''پس آب دہن ڈالا آپ نے اس میں'' (۱۹۸) تیسری غلطی یہ ہے کہ جانب مخالف یہ کہتا ہے کہ تھوکنے کی ممانعت جو حدیث میں وارد ہے'' لاتنفس فی الاناء'' سے ثابت ہوتی ہے۔ اور غلطی کی وجہ یہ ہے کہ'' لا یتنفس فی الاناء'' (۱۹۹) سے اس امر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ کہ کوئی پانی پینے کیوقت برتن سے منھ لگا کر دم لے۔ (۲۰۰) اور حدیث جابر سے یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا کہ رسول اکرم نے آٹے کے

---

(۱۹۸): مظاہر حق تتمہ جلد چہارم، باب فی المعجزات، ص۸،

(۱۹۹): الف: صحیح بخاری، ۸۴۱/۲، باب النہی عن التنفس فی الاناء،
ب: سنن ترمذی، ۱۱/۲، باب فی کراہیۃ النفس فی الاناء،

(۲۰۰): یہی لکھا ہے دیوبندیوں کے محدث کبیر انظر شاہ کشمیری نے شرح ترمذی العرف الشذی جلد۳/۲۸۹، میں۔ وہ لکھتے ہیں'' لم یثبت التنفس فی الاناء بل اخراج النفس فی وسط الشرب بدفع الاناء عن الفم لافی الاناء'' (ترجمہ: برتن میں سانس لینا ثابت نہیں بلکہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لینا ثابت ہے۔) اور فتح الباری لابن حجر میں ہے ''المراد بالنہی عن التنفس فی الاناء، ان لا یحصل نفسہ داخل الاناء''،

برتن یا ہانڈی سے منھ لگا کر سانس لیا ہوتا کہ" لایتنفس فی الاناء" سے اس کی ممانعت ثابت ہو اور (من کذب علی متعمدا) (۲۰۱) کو ضرور زیر نظر رکھنا چاہئے) بلکہ برتن میں لعاب ڈالنے کے وقت برتن سے منھ نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ برتن سے منھ الگ ہوتا ہے۔ اور جس وقت برتن سے منھ الگ ہو تو دم لینا جائز ہے اور کسی صورت سے "لا یتنفس فی الاناء" سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ اسلئے کہ صریح حدیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اکرم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں ایک سانس میں پانی پینے سے سیراب نہیں ہوتا ہوں تو رسول اکرم نے انسے فرمایا کہ برتن منھ سے الگ کر کے دم لیکر پھر پانی پیو اور بروایت "ترمذی" حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ" قال فانی لا اروی من نفس واحد قال فابن القدح اذا عن فیک ثم تنفس" (۲۰۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ "لایتنفس فی الاناء" سے لعاب ڈالنے کی ممانعت جو حدیث جابر میں وارد ہے مفہوم نہیں ہوتی اور نیز جانب مخالف سے استفسار ہے کہ اگر کسی امام یا مجتہد یا فقیہ یا شارحین حدیث نے یہ لکھا ہو "لا یتنفس فی الاناء" کی وجہ سے جابر کی حدیث قابل حجت نہیں رہی تو دکھاؤ۔ اگر قابل عمل ہو تو ہم بھی اس پر عمل کریں ان بیچارے ان پڑھ مسلمانوں کو کیوں بہکاتے ہو اور ان سب کا گناہ کیوں اپنے سر پر لیتے ہو؟

---

(۲۰۱) : صحیح مسلم، ۱/۷، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پوری حدیث اس طرح ہے" من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" ترجمہ: جس نے میری جانب کسی جھوٹ کو منسوب کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۲۰۲) :الف: سنن ترمذی ،باب ماجاء فی کراھیة النفخ فی الشراب، ۲/۱۱،
ب: صحیح ابن حبان ،کتاب الاشربه، ۱۲/۱۲۷، ، کتاب الاشربہ، ۱۲/۱۲۷، اور
ج: شعب الایمان للبیہقی ،باب کراھیة التنفس فی الاناء، ۱۲/۳۸۸،
حدیث کے آخری الفاظ "ثم تنفس" ترمذی میں نظر نہیں آئے۔ ہاں صحیح ابن حبان و شعب الایمان کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ (ایک شخص نے سرکار سے عرض کیا کہ میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا فرمایا پیالہ کو منھ سے دور کر کے سانس لو۔)

جانب مخالف صفحہ ۱۷ اتباع السنۃ میں جناب مولوی صاحب بدعت کے تہ وبالا کرنے والے کی نسبت یہ عبارت مسطورہ ذیل لکھتا ہے

''تنبیہ: مولف (یعنی جناب مولوی صاحب مدظلہٗ) بعد ترجمہ حدیث لکھتا ہے (چونکہ سرور کائنات نے دعا مومنین اور مسلمین سے مانگی ہے تو اوروں کے لئے بطریقۂ اولیٰ مستحب ہوگی) اس عبارت سے خوبیٔ فہم مولف ظاہر ہے سرور کائنات نے ہرگز ہرگز مومنین سے دعا نہیں مانگی کیونکہ غیر خدا سے دعا مانگنا ناجائز ہے بلکہ شرک ہے''قال اللّٰہ تعالٰی لا تدعوا الا ایاہ'' (۲۰۳) انبیاء علیہ السلام شرک سے منزہ ہیں''

اقول: اگر فرض کیا جائے کہ کاتب کی غلطی نہیں ہے تاہم مولانا صاحب کی عبارت نقصان سے بری ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ سرور کائنات نے مومنین اور مسلمین سے دعا مانگی اور مانگنا بمعنی طلب ہے یعنی سرور اکرم نے مومنین اور مسلمین سے وسیلہ کی دعا طلب کی۔ اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ''سلوا اللہ لی الوسیلۃ'' کے تحت میں مسطور ہے کہ رسول اکرم نے اپنی امت سے وسیلہ کی دعا اس لئے طلب کی کہ اس میں خدا کی طرف اظہار احتیاج اور کسر نفسی ہے۔ یا اس سبب سے کہ اس دعا سے امت نفع اٹھائے اور اس دعا کا ثواب ان کو ملے۔ یا امت کے لئے ارشاد ہے کہ ہر ایک ان میں سے اپنے دوست سے دعا طلب کرے (اور طلب کے معنی مانگنا ہیں) اور ''مرقات'' کی عبارت یہ ہے

''قال الطیبی: وانما طلب علیہ السلام من امتہ الدعاء لہ بطلب الوسیلۃ افتقارا الی اللہ تعالیٰ وھضما لنفسہ، او لینتفع امتہ و یثاب علیہ او یکون ارشادا لھم فی ان یطلب کل منھم من صاحبہ الدعاء لہ'' (۲۰۴)

---

(۲۰۳): اس (اللہ تعالیٰ) کے علاوہ کسی کو مت بلاؤ۔ یہ آیت نہیں ہے بلکہ جانب مخالف کی اپنی اختراع ہے۔ بلکہ آیت یہ ہے'' لاتعبدوا الا ایاہ'' اس کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ ترجمہ کنز الایمان، پارہ۱۵: سورئہ بنی اسرآء یل، آیت: ۲۳ [**(۲۰۴)**: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، ۱۰/ ۴۴۷۔

اور جانب مخالف کہ اپنے مدعا کے لئے یہ دلیل لایا "قال الله تعالیٰ لا تدعوا الا ایاہ" تو قال اللہ تعالیٰ سے صاف ثابت ہوتا ہے "لا تدعوا الا ایاہ" جانب مخالف کے نزدیک قرآن کی آیتوں میں سے ہے اور حالانکہ قرآن شریف میں کسی جگہ "لا تدعوا الا ایاہ" وارد نہیں۔ اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول اور فرمودہ ہو یا منسوخ التلاوۃ یا قرأت غیر متواتر میں وارد ہو تو جانب مخالف کو ضرور تھا کہ بیان کرتا کہ "لا تدعوا الا ایاہ" منسوخ التلاوۃ یا قرأت غیر متواتر میں وارد ہے کہ تا کہ غیر قرآن کو عوام الناس بلکہ خواص بھی قرآن سے نہ سمجھیں اس لئے کہ جو منسوخ التلاوۃ یا قرأت غیر متواتر ہے قرآن ہی نہیں ہے چنانچہ "منار" میں مسطور ہے کہ قرآن وہ ہے کہ رسول اکرم پر نازل اور مصاحف میں مکتوب اور ان سے بتواتر بلاشبہ منقول ہو چنانچہ "منار" کی عبارت یہ ہے۔

"القرآن المنزل علی الرسول علیه السلام المکتوب فی المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة" (۲۰۵)

اور نور الانوار شرح منار میں مسطور ہے کہ اگر "المصاحف" سے بتقدیر لام عہد قراء سبعہ کے مصاحف مراد ہوں تو اس قید کی وجہ سے کلام الٰہی منسوخ التلاوۃ نکل گیا جیسے کہ "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموها" بلکہ جمیع اقسام کلام الٰہی جو قرآن سے غیر ہیں اس قید یعنی المصاحف کی وجہ سے نکلتے ہیں اور مصنف کی یہ عبارت "المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة" صرف واقع کا بیان ہے نہ قید احترازی اور تقدیر یکہ "المصاحف" میں الف لام جنس کا ہو اور مصاحف سے مطلق مصاحف مراد ہوں تو بنا بریں تقدیر یہ قول مصنف "المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة" کی وجہ سے قرآن شریف سے وہ کلام الٰہی نکل گیا جو بطریق احادیث رسول اکرم سے منقول ہو۔ جیسے قضاء رمضان میں ابی کی قراءت "فعدة من ایام اخر متتابعات" اور نیز اسی قید کی وجہ سے وہ کلام الٰہی بھی نکل گیا جو بطریق شہرت رسول اکرم سے منقول ہو۔ جیسے

---

(۲۰۵) : منار، بحوالہ نور الانوار، صفحہ ۹، ۱۰،

ابن مسعود کی یہ قراءت سرقہ کی حد میں "فاقطعو ایمانھا" (۲۰۶) اب میں جانب مخالف سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم نے "لا تدعوا الا ایاہ" اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول فرمادیا۔ اور حالانکہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اب بسند کتب معتبرہ یہ بتاؤ کہ" لا تدعوا الا ایاہ، منسوخ التلاوۃ یا قراءت متواتر میں وارد ہے۔ (اور تقدیر یکہ لا تدعوا الا ایاہ حدیث قدسی میں وارد ہوتا ہم یہ پتہ بتانا ضرور تھا کہ یہ حدیث قدسی میں سے ہے تاکہ لوگ غیر قرآن کو قرآن نہ سمجھیں۔۱۲) اور اگر یہ نہ بتا سکو تو معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں تم نے اپنی طرف سے اصلاح لگائی اور خدائے تعالیٰ پر افترا کیا۔ اور شاید جانب مخالف اس سے بے خبر ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے" وانا لہٗ لحفظون " یعنی تحقیق ہم قرآن شریف کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جانب مخالف اپنے قول بالا میں افترا کے بعد جناب مولوی صاحب مد ظلہٗ کی نسبت یہ لکھتا ہے

> "مولف نشہ بدعت میں مدہوش ہے نہ اسے یہ خبر ہے کہ کیا لکھ رہا ہوں نہ یہ تمیز کہ کس کی طرف نسبت کررہا ہوں اس موقع میں بجواب مجھکو یہ مثل یاد آئی (گناہ میں کروں توبہ تو کر)"۔

مخفی نہ رہے کہ جناب استاذی قاطع بدعت بحر السنّت نے اپنی کتاب فیض نصاب "دعائے برکت" کی ابتدا سے انتہا تک چند امور شرعاً ثابت کئے ہیں:

---

(۲۰۶) : نورالانوار کی عربی عبارت اس طرح ہے"السلام فی المصاحف .... للمعهود المعهودوهومصاحف القراء السبعة. يحترز بهذا القيد عمانسخت تلاوته ...كقوله تعالىٰ الشيخ والشيخة اذازنيافارجموهانكالامن الله ... وعن قراءة ابى ونحوه ممالم يكتب فى المصاحف السبعة ..... احترزبقوله متواتراعمانقل بطريق لآحادكقراءة ابى فى قضاء رمضان فعدة من ايام من اخرمتتابعات وعمانقل بطريق الشهرة كقراءة ابن مسعودفى حدالسرقة فاقطعواايمانهاالخ. [نور الانوار صفحہ ۱۰،۱۱]

(۱): دعائے برکت

(۲): بوقت دعائے برکت طعام کا حاضر ہونا

(۳): طعام کے حاضر ہونے کے وقت صلحاء سے یہ استدعا کرنا کہ خدائے پاک سے یہ دعا مانگو کہ اس طعام کا ثواب اموات کو عطا فرما کر ان پر رحم اور مغفرت فرما۔

(۴): امر یہ ہے کہ اس دعا میں صلحاء کا ہاتھ اٹھانا اور **الحمد** اور **قل ھو اللہ شریف** پڑھنا

(۵): اموات کے لئے جمعرات کو دعا مانگنا

جانب مخالف نے اپنی اتباع السنۃ میں صفحہ ۹ سے ۱۹ تک چند امور بیان کئے ہیں

اول: دعائے برکت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ سامنے رکھنا طعام کا بوقت دعائے برکت مناسب ہے۔

اقول یہ دونوں امر قابل رد نہیں ہیں کیونکہ یہ امور جناب مولانا صاحب کا عین مدعا ہیں

سوم: فاتحہ مروجہ کا قیاس اگر دعائے برکت پر کیا جاوے تو یہ قیاس چند وجوہ سے درست نہیں ہے۔

اقول اس کا جواب یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب نے اپنی کتاب دعائے برکت میں ہرگز فاتحہ مروجہ ہند کو اور اس میں طعام سامنے رکھنے کو دعائے برکت پر قیاس نہیں کیا البتہ جناب مولانا صاحب نے اپنی کتاب میں یہ بحث کی ہے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دعائے برکت میں اگر اموات کے لئے بھی دعا کی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور جانب مخالف کو لازم ہے کہ اپنی اتباع السنۃ کی صفحہ ۱۷، ۲۷ میں یہ مضمون حاشیہ پر دیکھے۔ کہ جس میں جناب مولوی صاحب کی کتاب دعائے برکت کے اس مضمون کی نقل موجود ہے

تنبیہ! جہاں جانب مخالف کے قول کا رد کرنا مناسب سمجھا گیا۔ وہاں اس کا قول رد کیا۔ اگرچہ بعض جگہ پچھلے صفحوں کا رد پہلے اور پہلے صفحوں کا پیچھے کیا۔

سوال : جانب مخالف اپنی کتاب اتباع السنۃ کے صفحہ ۲۰ میں لکھتا ہے کہ ایصال ثواب بہیت مروجہ ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ فعل ہنود کفار کے مشابہ ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے "**من تشبہ بقوم فھو منھم**"

جواب: تشبہ بالکفار امر مذموم میں یا جس امر میں کہ مشابہت بکفار مقصود ہو اگرچہ وہ امر شرعاً ثابت بھی ہوتا ہم ممنوع ہے اور یہاں فاتحہ مروجہ میں دعا اور ایصال ثواب بالاتفاق امر مذموم نہیں ہے۔ اور احادیث اور کتب فقہا سے ثابت ہو چکا اور طعام صدقہ موذن وغیرہ کے سامنے رکھنا اقوال فقہا سے ثابت ہوا۔ اور اس سامنے رکھنے سے بموجب اقوال فقہا صدقہ جو عبادت مالی ہے صحیح ہوتا ہے۔ اور اس صدقہ کے بعد متصل صدقہ لینے والے کا دینے والوں کے لئے دعا مانگنا اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث احمد اور ابو داود اور نیز حدیث بخاری وغیرہ اور فقہاء کی مفتی بہا روایات اور قواعد اصول سے ثابت ہوا۔ تو یہ امور بالا مذموم نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی مسلمان کو اس دعا مانگنے سے مشابہت بکفار مقصود ہے۔

تشبہ بالکفار تفصیل طلب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی فعل کو کوئی مسلمان کرے اور وہ فعل شارع نے کفار کے ساتھ مختص اور اس کو کفر اور شرک کی علامت قرار دیا ہو جیسے زنّار یعنی جنیو پہننا اور بت کو سجدہ کرنا تو مسلمان بالاختیار ایسے فعل کرنے سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اگرچہ احکام شرع مانے اور ان پر عمل بھی کرے۔ چنانچہ ''شرح عقائد نسفی'' میں موجود ہے۔

''ان احد اصدق بجميع ما جاء به النبی عليه السلام وسلمه واقربه و عمل ومع ذالک شد الزنار بالاختيار او سجد للصنم بالا ختيار نجعله کافرالما ان النبی عليه السلام جعل ذالک علامة التکذيب والانکار''(۲۰۷)

---

(۲۰۷) : شرح عقائد نسفی، ۱۱۹، (کسی شخص نے نبی کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کی اور اس کو تسلیم کیا اور اس کا اقرار کیا اور عمل کیا باوجودیکہ زنار باندھی یا بت کو سجدہ کیا بالاختیار تو ہم اسے کافر قرار دیں گے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھٹلانے اور انکار کرنے کی علامت قرار دیا ہے۔)

اور اگر کوئی فعل شرعاً جائز ہو اور اس کو کفار بھی کرتے ہوں جیسے سبیل کا پانی پلانا اور چاند اور سورج گرہن کے وقت میں دعا اور خیرات کرنا کہ اہل ہنود بھی کرتے ہیں یا نماز میں ایسا فعل کرنا کہ شرعاً وہ فعل نماز میں درست ہو اور کفار بھی جیسے یہود و نصاری کرتے ہوں تو مسلمان ایسے فعل کے کرنے سے نہ مشرک ہوگا نہ گنہگار۔ ہاں اگر مسلمانوں کا ان فعل کے کرنے کے وقت دل سے یہ قصد و ارادہ ہو کہ ان افعال کے کرنے سے مشابہت بکفار حاصل کرے تو بیشک یہ امر مذموم اور ناجائز ہے۔ والا جائز چنانچہ ''درمختار'' میں مسطور ہے:

''فان التشبه بهم لا يكره فی كل شیء، بل فی المذموم و فيما يقصد به التشبه'' (۲۰۸)

اور ''طحطاوی'' میں مسطور ہے قال فی البحر ثم ان التشبه باهل الكتاب لا يكره فی كل شیء فانا ناكل و نشرب كما يفعلون انما الحرام التشبه فيما كان مذموما، اوفی ما يقصد به التشبه'' (۲۰۹)

اور ''شامی'' نے '' لا يكره فی كل شیء'' کی دلیل یہ لکھی ہے ''فانا ناكل ونشرب كما يفعلون'' (۲۱۰) اور نیز ''شامی'' میں مسطور ہے کہ ہشام نے کہا کہ امام ابی یوسف کو لوہے کی کیل لگی ہوئی جوتی پہنے ہوئے میں نے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ان

---

(۲۰۸) : درمختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ۲/ ۳۸۴، (کفار سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے بلکہ بری چیز میں اور اس چیز میں جس میں ان سے مشابہت مقصود ہو۔)

(۲۰۹) : طحطاوی على الدالمختار جلد ۱/ [۲۲۵ بباب مايفسد الصلاة ومايكرفيها] (کہا بحر میں تشبہ اہل کتاب سے ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے ہم کھاتے اور پیتے ہیں جیسا کہ وہ کرتے ہیں لیکن تشبہ انہیں چیزوں میں حرام ہے جو بری ہوں یا ان میں جن میں ان سے تشبہ مقصود ہو۔)

(۲۱۰) : فتاوی شامی، ۲/ ۳۸۴، مطلب فی التشبه باهل الكتاب،

لوہے کی کیلوں میں کچھ مضائقہ دیکھتے ہو یا نہیں امام نے فرمایا کہ نہیں پھر میں نے کہا کہ سفیان ثور بن یزید اس کو اس لئے مکروہ جانتے ہیں کہ اس میں رہبان کے ساتھ مشابہت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم بال دار جوتے پہنتے تھے حالانکہ یہ بھی رہبان کا لباس ہے۔ ہشام کہتے ہیں کہ امام نے اپنے اس قول میں یہ اشارہ کیا کہ جس میں بندگان خدا کی اصلاح ہو وہ ممنوع نہیں ہے۔ اس لئے کہ دور دراز کا سفر بغیر ان چیزوں کے مشکل ہے اور ہشام کہتے ہیں امام نے یہ بھی اشارہ کیا کہ بظاہر یہ مشابہت معلوم ہوتی ہے مگر قصد مشابہت نہیں اور شامی کی عبارت یہ ہے۔

"قال هشام: رايت على ابى يوسف نعلين مخصوفين بمسامير، فقلت اترى بهذاالحديد بأس ا؟ قال: لا، قلت سفيان و ثور بن يزيد كرها ذالك لأن فيه تشبها بالرهبان فقال: كان رسول صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التى لها شعر، وانها من لباس الرهبان، فقد اشار الى أن صوره المشابهة فيماتعلق به صلاح العباد لا يضر، فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذاالنوع، وفيه اشارة ايضا الى ان المراد بالتشبه اصل الفعل اى صورة المشابهة بلا قصد"(۲۱۱)

ان سب عبارتوں کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ امر مذموم میں مطلقاً تشبہ ناجائز ہے اور ایسے فعل میں کہ مذموم نہ ہو مگر اس میں بظاہر کفار کے ساتھ تشبہ معلوم ہوتا ہے تو ایسا فعل اگر بالقصد تشبہ بکفار کیا جائے تو ناجائز ہے اور اگر قصد تشبہ نہ ہو اگرچہ بظاہر تشبہ معلوم ہوتا ہم جائز ہے۔ جیسے کہ سبیل اور چاند اور سورج گرہن میں بیان ہوا۔ اور اس سے پہلے ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ کے سب امور قرآن اور حدیث اور فقہا کے مفتی بہا اقوال اور ضوابط

(۲۱۱) :فتاوی شامی، ۲/ ۳۸۴، مطلب فی التشبه باهل الكتاب،

اصول سے ثابت ہے۔ اور یہاں کسی مسلمان کو تشبہ بالکفار کا قصد بھی نہیں ہے۔ بلکہ کفار کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جیسا کہ موذن وغیرہ قل ہو اللہ اور الحمد شریف جن میں توحید اور تقدیس ہے پڑھتے ہیں اور کفار کلمات شرک و وید پڑھتے ہیں۔ چنانچہ جانب مخالف اپنی اتباع سنت کی صفحہ ۳۲ پر نو مسلم مولوی عبید اللہ کی تحفۃ الہند سے نقل کرتا ہے

''اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے اور نیز یہاں کے لوگ فاتحہ مروجہ جائز اور مستحب جانتے ہیں نہ امر ضروری اور جانب مخالف مولوی عبید اللہ صاحب کی تحفۃ الہند سے نقل کرتا ہے کہ ہنود کی ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں۔

سوال: جانب مخالف نے فاتحہ کرنے والے مسلمانوں (کے اس فعل حسن) کی مشابہت محرمہ بکفار ہنود، ہنود کے اقوال سے ثابت کی ہے اور مشابہت بکفار حرام ہے چنانچہ جانب مخالف اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۲ میں لکھتا ہے:

'' عادات سے مثال لا کر عبادات میں زیادتی جائز کرتے ہیں ایسے قیاس مع الفارق بے سروپا کرنا مولف جیسے نادان کا کام ہے بالفرض اگر جائز بھی ہو تو بوجہ مشابہت ہنود حرام ہے۔ طعام سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے ایصال ثواب کرنا مشابہت ہنود کی ہے، ہم نے خود اکثر ہنود سے تصدیق کی ہے۔''

جواب: حرمت مشابہت محرمہ بکفار امور دینیہ و شرعیہ میں سے ہے اور کافر کی خبر سے امر شرعی دینی کی حرمت اور حلت ثابت نہیں ہو سکتی چنانچہ ''عالم گیری'' میں مسطور ہے

''خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل والحرمۃ والطهارة والنجاسة اذا کان مسلما'' (۲۱۲)

اب یہ بتاؤ کہ نادان، شرع سے بے خبر کون ہے؟

---

(۲۱۲): فتاوی عالمگیری، باب فی العمل بخبر الواحد، ۵/۳۰۸، (دیانات جیسے حلال اور حرام طہارت اور نجاست میں خبر واحد مقبول ہے جب کہ وہ مسلمان ہو۔)

سوال : جانب مخالف ہنود کے قول سے مؤذن وغیرہ کی مشابہت باہنود ثابت کرتا ہے نہ حرمت مشابہت کہ امور دینیہ میں سے ہے ؟

جواب : چونکہ جانب مخالف نے مؤذن وغیرہ کی مشابہت بکفار قول کفار سے ثابت کی ہے اور یہ یعنی قول بہ ثبوت مشابہت مسلمانان بکفار قول کفار سے ثابت کرنا متضمن ہے حرمت مشابہت کو اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر کفار کا قول معاملات میں امر دینی کو متضمن ہو جائے تو قابل اعتبار ہے اور یہاں معاملات ہی نہیں تا کہ کفار کا قول ان میں متضمن امر دینی کا ہو کر قابل اعتبار ہو۔ چنانچہ ’’عالمگیری‘‘ میں مسطور ہے

’’ولا یقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة‘‘ (۲۱۳)

چونکہ بموجب اقوال فقہاء عالمین فاتحہ مروجہ ہند کا تشبہ بکفار ثابت نہیں ہوا۔ لہٰذا جانب مخالف کا یہ قول جو کہ اتباع السنتہ کے صفحہ ۲۰ میں ہے لغو ہوا کہ ایصال ثواب بھی بہ ہیئت مروجہ دوسری حدیث سے ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ فعل ہنود کفار کے مشابہ ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے اور نیز جناب مولوی صاحب نے اس سوال کا جواب کہ اموات کے لئے دعا کرنا اور اس میں الحمد اور قل ہواللہ پڑھنا اور ان دونوں کو دعا کے وقت میں اعتقاداً فرض وواجب نہ سمجھنا اور عملاً بھی فرض وواجب کی مانند نہ کرنا کیسا ہے؟ یہ دیا ہے کہ حدیث ترمذی سے ثابت ہے کہ جس

---

(۲۱۳): فتاوی عالمگیری، باب فی العمل بخبر الواحد، ۵/۳۰۸، (دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ہے مگر جب کہ معاملات میں کافر کے قول کا قبول دیانات میں اس کے قول کے قبول کو شامل ہو تو اس وقت دیانات معاملات کے ضمن میں داخل ہو جائیں گے تو کافر کا قول دیانات میں ضرورتاً مقبول ہوگا۔)

مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اکرم پر درود نہ ہو وہ مجلس ناقص ہے اور الحمد اور قل ہو اللہ بھی اللہ کا ذکر ہیں ۔لہٰذا الحمد اور قل ہو اللہ شریف اور درود پڑھنا مجلس دعا میں جائز ہے ۔اور جانب مخالف نے اس جواب پر اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ٢٠ میں اعتراض کیا ہے کہ

''بہر حال حدیث (یعنی حدیث ترمذی) سے فاتحہ اور سورۂ اخلاص کا ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ لفظ ذکر اللہ مطلق کو خاص فاتحہ اور سورۂ اخلاص پر حمل کرنا مطلق نص کو بلا دلیل مقید کرنا ہے۔اور وہ ازروئے اصل فقہ ہرگز جائز نہیں۔''

اقول جانب مخالف نے اس اعتراض میں سخت غلطی کی اس لئے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا یہ چاہتا ہے کہ ایک لفظ کسی جگہ بلا قید وارد ہو اور دوسری جگہ اس کے ساتھ کوئی قید بڑھائی گئی ہو چنانچہ قتل خطا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (٢١٤) اور کفارۂ ظہار میں مطلق غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ غلام مومن ہو یا کافر (٢١٥)۔تو ہم حنفیوں کے نزدیک جہاں مطلق غلام جیسے کفارۂ قتل خطا میں ، وہاں مطلق ارادہ کرنا چاہیے خواہ مومن ہو یا کافر اور اس کو اپنے اطلاق پر چھوڑنا چاہئے ۔اور جہاں مقید یعنی مومن غلام وارد ہے جیسے کفارۂ قتلِ خطا میں وہاں مومن کا ارادہ کرنا چاہئے اس لئے کہ مطلق سے مقید مراد لینا بلا ضرورت جائز نہیں (٢١٦) اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ حدیث ترمذی میں ذکر خدا مطلق بلا قید وارد ہے ۔ہاں اگر کسی اور جگہ ذکر خدا مقید بالحمد وقل ہو اللہ شریف (وارد ہوتا

---

(٢١٤) : ''ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة'' اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے۔[ترجمہ کنز الایمان، پارہ ٥، سورہ نساء، آیت ٩٢]

(٢١٥) : ''والذین یظاہرون من نسائہم ثم یعودون لما قالو افتحریر رقبۃ'' اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بری بات کہہ چکے تو ان پر لازم ہے ایک بردہ آزاد کرنا۔[ترجمہ کنز الایمان، پار ٢٨، سورہ مجادلۃ ،آیت ٣]

(٢١٦) **الف**: اصول الشاشی مع الحاشیۃ، ص ١٣، فصل فی المطلق والمقید،
ب: التلویح، فصل ذکر المطلق والمقید، ١٧٩،

اور جناب مولوی صاحب اس مطلق ذکر سے جو حدیث ترمذی میں وارد ہے ذکر مقید بالحمد و قل ہو اللہ شریف) ارادہ کرتے اور باقی ذکروں کو ناجائز بتاتے تو جانب مخالف کا یہ اعتراض ''کہ حدیث ترمذی میں مطلق ذکر وارد ہے مطلق کو مقید کرنا بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔'' صحیح ہوتا۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) اس لئے کہ جناب مولوی صاحب نے مطلق ذکر جو حدیث ترمذی میں وارد ہے اپنے اطلاق پر چھوڑ کر یہ فرمایا کہ الحمد اور قل ہو اللہ اس مطلق ذکر کے افراد سے ہیں جیسے اس مطلق ذکر خدا کے اور افراد اس موقع میں جائز ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف بھی جائز ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب کی عبارت یہ ہے ''**بروایت'' ترمذی'' وارد ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اکرم پر درود نہ ہو وہ مجلس ناقص ہے** (۲۱۷) اور قل ہو اللہ اور الحمد شریف میں بھی اللہ کا ذکر ہے لہٰذا ان دونوں کو مجلس دعائے اموات میں مع درود پڑھنا مستحب ہے'' اب اس عبارت میں لفظ (بھی) سے صاف ثابت ہوا کہ مولانا صاحب نے ذکر سے فقط الحمد اور قل ھو اللہ مراد نہیں لی ہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ جیسے مطلق ذکر کے اور افراد ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ھو اللہ شریف بھی ہے اور جیسے اور افراد ذکر اس موقع میں جائز ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف بھی جائز ہیں۔ فقط الحمد اور قل ہو اللہ کی تخصیص مراد نہیں ہے ہم اس لئے تو کہتے ہیں کہ کتاب ''دعائے برکت'' کسی

---

(۲۱۷): سنن ترمذی، باب ماجاء فی القوم یجلسون ولا یذکرون اللہ، ۲/۱۷۵، حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''عن ابی ہریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ماجلس قوم مجلسالم یذکروااللہ فیهٖ ولم یصلواعلی نبیهم الاکان علیهم ترةالخ،

درج ذیل کتابوں میں بھی اسی مفہوم کی احادیث قدرے الفاظ کے تغیر کے ساتھ وارد ہیں

الف: المستدرك علی الصحیحن، ۱/۷۳۵، کتاب الدعاء والتکبیر....،

ب: سنن البیهقی اللکبری، ۳/۲۱۰، باب مایستدل به علی وجوب ذکر....،

ج: مسند احمد، ۲/۴۴۶ **د**: المعجم الکبیر للطبرانی، ۸/۱۸۱، رقم ۷۷۶۷۔

حرف شناس دوکاندار سے پڑھ لو۔ جانب مخالف اپنی اتباع السنتہ کے صفحہ ۳۰ میں یہ لکھتا ہے کہ :

"صحابہ نے کسی امر ثابت از فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادتی نہیں کی اور نہ کسی عبادت غیر منقولہ کو اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ اور نہ کسی عبادت منقولہ میں کوئی تغیر کیا تا کہ بدعت ہو۔"

اقول جانب مخالف کا یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی عبادت پر زیادتی کی ہے جو کہ رسول اکرم سے انہیں کی روایت سے منقول ہے۔ چنانچہ ترمذی نے بروایت قتیبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے احرام باندھ کر یہ تلبیہ پڑھا۔ **"اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک"** اور راوی کہتا ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ یہ رسول اکرم کا تلبیہ ہے اور ابن عمر اپنی طرف سے اس رسول اکرم کے تلبیہ کے اخیر میں یہ زیادہ کرتے ہیں **"لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرغبی الیک والعمل"** (۲۱۸) اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ (۲۱۹) یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے عبادت منقولہ پر زیادتی کی اور نیز بروایت بخاری سائب بن یزید سے وارد ہے کہ رسول اکرم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ممبر کے پاس امام کے سامنے کی اذان تھی اور باہر کی اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جاری کی۔ (۲۲۰) یہاں

---

(۲۱۸) : سنن ترمذی، باب ماجاء فی التلبیة، جلد ۱/ ۱۶۹

(۲۱۹) : مرجع سابق......

(۲۲۰): صحیح بخاری، ج ۱/ ۱۲۴، باب الاذان یوم الجمعة، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں "عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوّله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله عنهما فلما کان عثمان رضی الله عنه وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء"

حضرت عثمان ﷺ نے بھی عبادت منقولہ پر زیادتی کو رواج دیا اور نیز نماز تراویح کی وہ کیفیت جو رسول اکرم کے زمانہ میں تھی عمر فاروق کے زمانہ میں نہ رہی (٢٢١) چنانچہ صحاح کی کتابوں سے ثابت ہے۔ یہاں حضرت عمر فاروق نے عبادت منقولہ میں اپنی طرف سے تغیر کیا اور نیز شارب خمر کی حد کے لئے رسول اکرم اور صدیق اکبر ﷺ کے زمانہ اور عمر فاروق ﷺ کی ابتدائی خلافت میں اسی ٨٠ درہ معین نہ تھی۔ اور حضرت عمر ﷺ کے مشورہ لینے کے بعد حضرت علی ﷺ کے قیاس کی وجہ سے شارب خمر کے لئے اسی ٨٠ درہ معین ہوئے وہ قیاس یہ ہے کہ بروایت امام مالک ثور بن زید سے وارد ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ شارب خمر کو اس لئے ٨٠ درے مارنے چاہئیں کہ جس وقت وہ شراب پیتا ہے مست ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت مست ہو جاتا ہے بیہودہ گوئی کرتا ہے۔ اور جس وقت بیہودہ گوئی کرتا ہے بہتان لگاتا ہے۔ اور وہ عبارت یہ ہے "**فانہ اذا شرب سکر واذا سکر ھذی واذا ھذی افتری**" (٢٢٢) اب جانب مخالف کو ایک اور دقت درپیش ہوی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قیاس شرطی منطقی ہے اور بہ ہیئت شکل اول مفصول النتائج کے وارد ہے۔ اور اس شکل کے بموجب انہوں نے حکم شرعی جاری کیا اور صحابہ کرام نے حضرت علی ﷺ کے اس قیاس پر عمل کیا چنانچہ "معانی الآثار للطحاوی" میں مسطور ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی ﷺ

---

(٢٢١) سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں تراویح باجماعت پابندی سے نہ ادا کی گئی بلکہ سرکار نے گھر میں پڑھ لینے کا حکم دیا لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا تو گویا تراویح کی جو کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ رہی۔ صحیح بخاری، ١/٢٦٩، باب فضل من قام رمضان، میں حضرت عائشہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے مروی احادیث سے یہی مفہوم مستفاد ہے، فلیرجع۔ نیز "سنن بیہقی الکبریٰ، باب قیام شہر رمضان، ١/٤٩١،" و "عمدۃ القاری لملاعلی قاری، ٨/٢٥٦، ملاحظہ ہو]

(٢٢٢) : المؤطا للامام مالک، ص٣٥٧، باب ماجاء فی الحد فی الخمر،

کے اس قیاس کے سبب سے شارب خمر کے لئے اسی ۸۰ درہ حد مقرر کی اور وہ عبارت یہ ہے۔

''وانهم جعلوه بعده ثمانين بالتمثيل الذى قد ذكرناه عنه فى هذا الباب'' (۲۲۳)

اب اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے قیاس کے سبب سے شارب خمر کی اس حد سے جو رسول اکرم کے زمانہ میں تھی، مغائر حد مقرر کی۔ اور ''ہدایہ'' میں مسطور ہے:

''وحد الخمر والسكر فى الحر ثمانون سوطا لاجماع الصحابة رضى الله تعالىٰ عنه'' (۲۲۴)

اور فتح القدیر میں اس عبارت ہدایہ کے ذیل میں جو مسطور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ'' اسی ۸۰ درہ جن پر اجماع ہے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قیاس ''فانه اذا شرب سكر الخ'' سے ثابت ہے۔ (۲۲۵) اب فاتحہ شریفہ مقدسہ مروجہ ہند تو در کنار بلکہ اس فاتحہ مقدسہ کی وجہ سے شکل منطق بھی صحابہ کرام سے منقول ثابت ہوئی۔ مگر جانب مخالف اپنی رائے کا متبع ہے تو کیا تعجب ہے کہ ایسی اشکال منطقیہ کا استعمال شرک اور بدعت بتا کر یہ کہے کہ ایسی اشکال منطقیہ کا استعمال نہ رسول اکرم کے زمانہ اور نہ خیر القرون میں تھا اور نہ ایسی اشکال قرآن اور

---

(۲۲۳): معانی الآثار للطحاوی، باب حد الخمر، ۲/ ۸۷، (صحابہ کرام نے اس کے بعد اسی کوڑے حد مقرر کی اس تمثیل کی وجہ سے جس کا ذکر ہم نے اسی باب میں کیا۔)

(۲۲۴): ہدایہ، باب حد الشرب، ۱/ ۳۵۴، (شراب اور نشہ کی حد آزاد کے لئے اسی کوڑے ہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے۔)

(۲۲۵): فتح القدیر ۵/ ۸۳، باب حد الشرب، عربی عبارت اس طرح ہے''استدل المصنف على تعين الثمانين باجماع الصحابة ......ان عمر استشار فى الخمر يشير بها الرجل فقال له على بن ابى طالب رضى الله عنه نرى ان نجلده ثمانين فانه اذا شرب واذا سكر هذى واذا هذى افترى وعلى المفترى ثمانون ثم اتفقوا على ثمانين الخ۔

حدیث میں وارد ہے لہذا یہ بھی مانند فاتحہ مقدسہ مروجہ ہند کے بدعت ہے اور جانب مخالف کو ابن عمر کا قول اور شیخ عبدالحق صاحب کا قول بھی مفید نہیں ہے۔ اس لئے کہ ابن عمر کے قول میں صریح منع وارد ہے اور فاتحہ مروجہ میں اگر منع ہو تو بتاؤ۔ اور نیز رسول اکرم نے فرمایا ہے۔ "علیکم بسنتی و سسنته الخلفاء الواشدین المهدین" (۲۲۶) اب اس حدیث میں رسول اکرم نے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنی سنت پر عطف کیا۔ اور معطوف معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہئے تو اس حدیث سے بھی خلفائے راشدین کی سنت کی مغائرت رسول اکرم کی سنت سے مفہوم ہوتی ہے لیکن ہم پر بموجب فرمودۂ رسول اکرم خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اگر چہ رسول اکرم کی سنت سے کسی قدر مغائر بھی ہو۔ اور جانب مخالف کی اس عبارت سے نہ صحابہ کرام نے کسی عبادت منقولہ میں تغیر کیا تا کہ بدعت ہو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا تغیر بھی عبادات منقولہ میں بدعت ہے۔ اگر چہ خلفائے راشدین سے ہوں "نعوذ باالله من ذالک" ہمارے نزدیک خلفائے راشدین اور باقی صحابہ کرام کے افعال قابل اتباع ہیں "وعلی هذا القیاس" اقوال علماء مجتہدین۔

نیز جانب مخالف اپنی کتاب اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۵ میں لکھتا ہے کہ

"وجہ ممانعت محض تخصیص جمعرات نہیں ہے بلکہ چند امور ہیں کہ منجملہ ان کے ایک تخصیص بھی ہے اور فرادی فرادی امور کے جواز یا ثبوت سے مجموع کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ حکم مجموعہ کا غیر ہوتا ہے حکم اجزاء کے۔"

اقول: فریقین کو یہ امر مسلم ہے کہ فاتحہ شریف مروجہ ہند اور اس کے جمیع اجزاء مقدسہ مثل "الحمد اور قل هو الله شریف" اور دعا اور صدقہ ہر ایک تنہا تنہا جائز اور عبادت ہے

---

(۲۲۶) **الف:** سنن ابوداؤد، باب فی لزوم السنة، ۲/ ۶۳۵،

ب: سنن ابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء، ج ۱/ ۵،

ج: صحیح ابن حبان، ۱/ ۱۱،

اگر جانب مخالف یہ کہتا ہے کہ ان امور (یعنی عبادت بدنی و مالی) کے ملانے سے حرمت اور عدم جواز لازم آتا ہے اس لئے کہ یہ ملانا اور ہیئت مجموعہ کسی سے منقول نہیں ہے۔ اور عبادت کے عدم جواز کے لئے عدم نقل کافی ہے۔ یہ قول جانب مخالف کا بالکل غلط خلاف حدیث و ضوابط فقہاء ہے۔ اس لئے کہ فاتحہ مقدسہ مروجہ اہل ہند کے جمیع اجزاء بالاتفاق عبادات ہیں۔ خواہ مالی ہوں یا بدنی اور عبادات مالیہ و بدنیہ کے آپس میں جمع کرنے کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ بروایت بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا:

"قال رسول الله من اصبح منكم اليوم صائما قال ابو بكر انا قال فمن تبع منكم اليوم جنازة قال ابو بكر انا قال فمن اطعم منكم اليوم مسكينا قال ابو بكر انا قال فمن عاد منكم اليوم مريضا قال ابو بكر انا فقال رسول صلے الله عليه وسلم ما اجتمعن فی امر ئ الا دخل الجنة" (۲۲۷)

---

(۲۲۷) :**الف**:صحیح مسلم، ۳۳۰/۱،باب من فضل ضم الی الصدقة غیرها من انواع البر، **ب**: صحیح ابن خزیمه، ۱۰/۸،باب ذکر ایجاب الله عزوجل الجنة للصائم، **ج**: السنن الکبریٰ للبیهقی، ۱۸۹/۴،باب فضل من اصبح صائما، **د**: صحیح بخاری میں یہ حدیث پاک ہمیں نظر نہ آئی ہاں البتہ صحیح بخاری میں ایسی احادیث کثرت سے موجود ہیں جن سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعا یعنی عبادات بدنیہ اور مالیہ کا اجتماع ثابت ہوتا ہے ہم یہاں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں "ان رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرء السلام على من عرفت ومن لم تعرف" (ترجمہ) ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کونسا کام بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔ [صحیح بخاری، ۶/۱،باب اطعام الطعام من الاسلام] حدیث مذکور میں کھانا کھلانا عبادت مالی ہے اور سلام کرنا عبادت بدنی ہے۔ تو اس حدیث پاک سے بدنی اور مالی عبادات کے اجتماع کا اثبات ہوگیا۔

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے دن تم میں سے کون روزہ دار ہے اور کون جنازہ کے ساتھ گیا اور کس نے مسکین کو کھانا کھلایا اور کس نے بیمار کی عیادت کی تو صدیق اکبر ﷛ نے ان سب سوالات کے جواب میں عرض کیا کہ میں نے۔ پس رسول اکرم نے فرمایا کہ کسی شخص میں یہ امور جمع نہیں ہوتے ہیں مگر وہ داخل ہوگا جنت میں۔"

اس حدیث سے ہر عبادت ▯ ان عبادات مذکورۂ حدیث میں سے روزہ کے ساتھ جمع کرنا ثابت ہوا۔ اور روزہ عبادت بدنی ہے کہ صبح سے شام تک رہتا ہے تو اس عبادت بدنی یعنی روزہ کا عبادت مالی کے ساتھ کہ مسکین کا کھلانا ہے اور باقی عبادات بدنیہ کے ساتھ جمع کرنا ثابت ہوا اور رسول اکرم نے اس ہیئت اجتماعی عبادات کو جو صدیق اکبر ﷛ سے واقع ہوئی موجب دخول جنت فرمایا۔ نہ شرک و بدعت۔ اور تخصیص کا جواب قول آئندہ میں آتا ہے اور نیز فقہاء کے ضابطہ سے یہ ثابت ہے کہ جس چیز کے اجزا تنہا تنہا جائز ہوں اس کی صرف ہیئت اجتماعیہ اور آپس میں ملانا عدم جواز میں موثر نہیں ہوسکتا۔ (یعنی جیسے یہ امور تنہا تنہا جائز ہیں ویسے ہی ملا کر بھی جائز رہیں گے) چنانچہ فقہاء نے فرادی فرادی دانوں کے استعمال کا جواز ذکر الٰہی کی مقدار کے معلوم کرنے کے لئے ابوداؤ، ترمذی، ابن حبان اور حاکم کی حدیث (۲۲۸)

---

(۲۲۸): الف: سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی، ۱/۲۱۰، **ب**: سنن ترمذی، باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/۱۹۷، **ج**: صحیح ابن حبان، باب الاذکار، ۲/۱۲۲، **د**: المستدرک للحاکم، کتاب الدعاء...، ۱/۷۳۲،

ہم یہاں صرف "سننِ ابوداؤد" کی حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں "عن عائشة بنت سعدبن ابی وقاص عن ابیھا انه دخل مع رسول الله صلی الله علیه وسلم علی امرأة وبین یدیھا نوی اوحصی تسبح به فقال اخبرك بماھوایسر علیک من ھذا اوافضل فقال سبحان الله عددماخلق فی السماء الخ، (ترجمہ) حضرت

ے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ نیز تسبیح کا استعمال ذکر الٰہی کی مقدار معلوم کرنے کے لئے جائز ہے اس لئے کہ تسبیح اور پراگندہ دانوں میں اتنا فرق ہے کہ تسبیح میں بعض دانے

(پچھلے صفحے کا بقیہ) سعد بن ابی وقاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے اس عورت کے پاس کھجور کے گھٹلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، حضور نے فرمایا میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو اس سے سہل ہو، یا فرمایا اس سے افضل ہو پس کہا سبحان اللہ عدد ما خلق الخ (پڑھا کر) اس حدیث پاک میں عورت نے کنکر یا گھٹلیوں پر تسبیح پڑھی اور سرکار نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ذکر الٰہی کی مقدار معلوم کرنے کے لئے کنکر، تسبیح یا چنے وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ نیز گمراہ فرقوں سے وابستہ لوگ سوم وغیرہ میں چنے پڑھنے کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں انہیں اس حدیث پاک سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ حدیث پاک ان کو کافی نہ لگے تو اپنے شیخ الحدیث مولانا زکریا کی کتاب فضائل اعمال دیکھ لینا چاہئے جس میں انہوں نے اس حدیث پاک کو بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ چند احادیث کو تحریر کیا ہے اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ" ذکر کے لئے کنکر دانے وغیرہ کو استعمال میں لانا جائز ہے اور کھلے ہوئے دانے اور پروئے ہوئے دھاگے میں کوئی فرق نہیں، (مخالفین کے شیخ الحدیث کے اس قول سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعا یعنی جس چیز کے اجزا تنہا تنہا جائز ہوں اس کی صرف ہیئت اجتماعیہ اور آپس میں ملانا عدم جواز میں مؤثر نہیں ہوسکتا، واضح طور پر ثابت ہے۔)۔ جو اسے بدعت کہتے ہیں ان کا قول قابل اعتماد نہیں" ان کی بیان کردہ کچھ احادیث جو بالکل صاف سوم وغیرہ میں ہمارے چنے پڑھنے کے جواز کو بھی ثابت کرتیں ہیں درج ذیل ہیں" ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گھٹلیاں یا کنکریاں بھری رہتی، ان پر تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ تھیلی خالی ہوجاتی تو ایک باندی تھی جو ان سب کو پھر اس میں بھر دیتی اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس رکھ دیتی..... حضرت ابودرداء (رضی اللہ عنہ) سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عجوہ کھجور کی گھٹلیاں جمع رہتی صبح کی نماز پڑھ کر اس تھیلی کو لیکر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی ہوتی بیٹھے پڑھتے رہتے۔ حضرت ابوصفیہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کے سامنے ایک چمڑہ بچھا رہتا اس پر کنکریاں پڑی رہتیں اور صبح سے زوال کے وقت تک ان پڑھتے رہتے جب زوال کا وقت ہوتا تو وہ چمڑا اٹھالیا جاتا وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہوجاتے ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ بچھادیا جاتا اور شام تک ان کو پڑھتے رہتے ۔[فضائل اعمال، (باب) فضائل ذکر، ص ۱۶۴، ۱۶۵،

بعض کے ساتھ سوت میں ملائے جاتے ہیں اور پراگندہ دانوں کو سوت میں ملانا نہیں ہوتا اور اتنا فرق ایسے امور میں کہ تنہا تنہا جائز ہوں بعدۂ آپس میں ملائے جاویں عدم جواز میں مؤثر نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ ''طحطاوی'' میں مسطور ہے

''(قوله لا باس باتخاذ المسبحة) لا نه عليه السلام دخل على امرأة و بين يديها نوى او حصے تسبح فيه فقال اخبرک بما هوا يسر عليک من هذا وافضل الخ فلم ينهها عن ذالک وانما ارشدها الى ما هوا فضل وايسر ولو كان مكروها لبين لها ذالک والمسبحة لا تذيد على الحصىٰ الابالضم وجعله فى خيط ومثل ذالک لا اثر له فى المنع الاان يترتب عليه رياء اوسعمة'' (۲۲۹)

اور ''شامی'' میں مسطور ہے

''فلم ينهها عن ذالک وانما ارشدها الى ما هوا يسرو افضل ولو كان مكروها لبين لها ذالک ولا يزيد السبحة على مضمون هذ الحديث الا بضم النوى فى خيط و مثل

(۲۲۹): طحطاوى على الدر المختار ،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها جلد ۱/ ۲۳۳ (صاحب درمختار کا قول کہ تسبیح بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں ان پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں تو آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی بات بتاؤں جو تمہارے لئے اس سے آسان اور افضل ہو.....الخ تو سرکار نے اس عورت کو اس سے منع نہیں فرمایا البتہ اس سے افضل و آسان بات کی ہدایت دی اگر عورت کا یہ فعل مکروہ ہوتا تو سرکار علیہ السلام نے ضرور اس کو بیان کیا ہوتا اور تسبیح کنکریوں پر زیادہ نہیں ہے لیکن ملانے سے (یعنی بعض کنکریوں کو بعض کے ساتھ سوت میں ملانے سے) اور کنکریوں کو دھاگے میں پرونے سے اور اتنے فرق کی ممانعت میں کوئی حدیث نہیں ہے لیکن یہ فعل دکھاوے اور شہرت کے لئے نہ ہو۔)

ذالک لا یظھر تاثیرہ فی المنع" (۲۳۰)

اب ان اقوال فقہاء سے یہ ثابت ہوا کہ صرف جائز امور کے جمع ہونے کی وجہ سے حرمت لازم نہیں آتی ہے اب یہ دلیل جانب مخالف کی جو کہ صفحہ ۱۲۷ اتباع السنۃ میں ہے جس میں حرمت امور مذکورہ کے لئے بدیں طور بیان کی ہے کہ "یہ امور منقول نہیں ہیں اور فقہاء عدم فعل یا عدم نقل کو دلیل لاتے ہیں واسطے کراہیت و بدعت ہونے امر غیر منقول کے" باطل ہوئی۔ ہاں اگر فقہاء نے کسی جگہ ایسی ہیئت اجتماعی کہ جس کے اجزاء جائز ہوں کسی دلیل سے ناجائز ثابت کی ہو یا اس کے عدم جواز پر عدم منقول ہونا رسول اکرم اور صحابہ کرام وغیرہم سے دلیل لائے ہوں تو ہم بھی اُس ہیئت کو بسبب موجود ہونے دلیل فقہاء وغیرہم کے ناجائز جانیں گے اور "طحطاوی اور شامی" کے ضابطہ (۲۳۱) سے اس کو مستثنیٰ کہیں گے اور یہ ضابطہ بہ نسبت باقی ہیآت اجتماعیہ کے کہ کسی فقیہ مجتہد نے ان کی حرمت پر کسی قسم کی دلیل سے تصریح نہ کی ہو باقی اور معمول بہا جانیں گے اور صورت متنازع فیہا یعنی فاتحہ مرجہ مقدسہ ہند کی حرمت پر کسی فقیہ مجتہد نے تصریح نہیں کی تا کہ حدیث مسلم کے حکم (۲۳۲) اور طحطاوی اور شامی کے قاعدہ (۲۳۳) سے اس کو مستثنیٰ جانیں اگر ہو تو بتاؤ کہ آپ بھی عنداللہ ماجور ہوں۔ ورنہ امور مستحبہ کہ سنت اور ضوابط فقہا سے ثابت ہوں خدا سے خوف کرو ان کو بدعت نہ بتاؤ تا کہ بدعتیوں کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔

---

(۲۳۰): فتاوی شامی، باب مایفسد الصلاۃ و مایکرہ فیھا، ۴۲۱/۲، ۴۲۲، (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس کام سے (یعنی گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھنے سے) نہیں روکا بلکہ اس کو اس سے آسان اور افضل بات کی ہدایت دی اگر یہ کام مکروہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس عورت سے اس کو بیان فرماتے تسبیح سے اس حدیث کے مضمون پر کوئی زیادتی نہیں ہے سوائے دھاگے میں گٹھلیاں ملانے کے اور اتنے فرق کی تاثیر ممنوع ہونے میں ظاہر نہیں ہے۔)

(۲۳۱): یعنی صرف جائز امور کے جمع ہونے کی وجہ سے حرمت لازم نہیں آتی ہے،

(۲۳۲): یعنی عبادات مالیہ اور بدنیہ کا اجتماع حرام نہیں،

(۲۳۳): یعنی صرف جائز امور کے جمع ہونے کی [illegible] حرمت لا[illegible]م نہیں آتی ہے،

اور جانب مخالف نے صفحہ ۱۳۵ اتباع السنۃ میں لکھا ہے کہ

''علماء تخصیص جمعرات کو منع فرماتے ہیں اور حدیث سے فضیلت جمعرات ثابت ہوتی ہے فضیلت وتخصیص میں زمین وآسمان کا فرق ہے آنحضرت نے فضائل لیلۃ الجمعہ ارشاد فرمائی لیکن تخصیص کو منع فرمایا:

''**لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليا لى ولا تختصويوم الجمعة بصيام من بين الا يام الخ**''(۲۳۴)

اور آگے چل کر لکھتا ہے جو آیت وحدیث مؤلف نے لکھی ہیں وہاں تاخیر مفید ہے مضر نہیں اور ایصال ثواب طعام وغیرہ میں مضر ہے کیوں کہ غرض ایصال سے یہ ہے کہ میت کو نفع پہنچے یا تخفیف عذاب ہو۔اس کے لئے جتنی عجلت ہو بہتر ہے اور تاخیر میں میت کا نقصان ہے۔''

اقول اس کا جواب مولانا صاحب کے سوال سے بخوبی معلوم ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ جانب مخالف نے اپنی اتباع سنت کے حاشیہ صفحہ ۲۷ پر نقل کیا ہے۔

سوال : یہاں یہ طریقہ ہے کہ جمعرات کے لئے لوگ انتظار کرتے ہیں جس وقت کہ جمعرات آتی ہے اس وقت صلحاء وفقراء سے اپنے اموات کے لئے دعا منگواتے ہیں اور قبل اور بعد جمعرات کے بھی یہ عمل کرتے ہیں اور جائز بھی سمجھتے ہیں آیا بایں ہمہ عقائد واعمال جمعرات کیلئے انتظار کرنا جائز ہے یا بدعت؟ اب اس سوال سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ جن کو مولانا صاحب نے قرآن وحدیث سے جواب دیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جمعرات کے قبل اور بعد اموات کو جائز جانتے اور کرتے بھی ہیں تو تخصیص تر ہے اس لئے کہ تخصیص اس وقت متحقق

---

(۲۳۴): الف: صحیح مسلم ،باب کراہۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم الخ ،۱/۳۶۱،

ب: سنن البیہقی الکبریٰ ،باب النہی عن تخصیص یوم الجمعۃ بالصوم،۲/۴۹، (راتوں میں جمعہ کی رات کو نماز کے لئے مخصوص مت کرو اور نہ دنوں میں جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص کرو۔)

ہوتی کہ جمعرات کے قبل اور بعد نہ دعا کرتے نہ جائز جانتے۔ چنانچہ ''ترمذی'' میں بروایت حضرت ابوہریرہ ﷺ وارد ہے

''لا يصوم احدكم يوم الجمعة الا ان يصوم قبله او يصوم بعده'' (۲۳۵)

اور ''ترمذی'' اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں

''والعمل على هذا عند اهل العلم يكرهون ان يختص يوم الجمعة بصيام لا يصوم قبله ولا بعده'' (۲۳۶)

اور نیز ''ترمذی'' میں مسطور ہے:

''وقد استحب قوم من اهل العلم صيام يوم الجمعة وانما يكره ان يصوم يوم الجمعة لا يصوم قبله ولا بعده'' (۲۳۷)

اور نیز اموات کو نفع پہنچانے میں دیر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اموات کے لئے جمعرات سے قبل بھی دعا اور ایصال ثواب نہ کرتے تو اموات کے نفع پہنچانے میں دیر ہوتی اور یہاں ایصال ثواب قبل جمعہ بھی متحقق ہوتا ہے۔ جانب مخالف اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۶ میں جناب مولانا صاحب قاطع بدعت حامی سنت کی نسبت لکھتا ہے:

---

(۲۳۵): سنن ترمذی، باب ماجاء فی کراہیة صوم یوم الجمعة، ۱/۱۵۷، تم میں کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے بلکہ اس سے پہلے یا بعد (کے دن میں بھی) روزہ رکھے۔)

(۲۳۶): سنن ترمذی، باب ماجاء فی کراہیة صوم یوم الجمعة، ۱/۱۵۷، (اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ ناپسند کرتے ہیں خاصکر صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو نا کہ اس کے ساتھ پہلے یا بعد میں روزہ رکھنے کو)

(۲۳۷): سنن ترمذی، باب ماجاء فی کراہیة صوم یوم الجمعة، ۱/۱۵، (اور اہل علم کی ایک جماعت نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے ،البتہ صرف جمعہ کا روزہ رکھنا اس سے پہلے یا بعد میں نہ رکھنا مکروہ ہے۔)

"میں مولف سے دریافت کرتا ہوں کہ سرور کائنات یا صحابہ وتابعین وغیرہ سے
کہیں ثابت ہے کہ ایصال ثواب طعام بدیں ہیئت کہ طعام سامنے رکھکر ہاتھ
اٹھا کر "الحمد و قل هو الله" پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا ہو۔ اگر ثابت ہو
تو بتاؤ کس حدیث میں مروی ہے۔"

اقول ان امور کا جواز میں نے قرآن شریف اور احادیث نبویہ اور کتب اصول فقہ اور علم کلام اور فقہ اور تفسیر اور شروح حدیث سے بخوبی ثابت کیا۔ جس کا جی چاہے اس کتاب کی فہرست دیکھ لے کہ ان مسائل میں سے ہر مسئلہ کا نشان وہاں بقید صفحہ وسطر موجود ہے۔ مگر زیادہ اطمینان کے لئے جناب فخر المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کرتا ہوں

"وبعد از سہ روز اگر توبہ از وے درست نشد اور ابایدکشت و در
مقابر مسلمین اور ادفن نباید کرد و بآئین مسلمین اور اتکفین وتجہیز نباید کرد و
برای او فاتحہ و درود وصدقات نباید فرستاد۔" (۲۳۸)

یعنی کہ مرتد یعنی برگشتہ از دین اسلام بعد تین دن قید کرنے
کے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے اور اس کے لئے فاتحہ اور درود اور
صدقات نہ ہونے چاہئیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ، درود اور صدقات کی شرعاً ممانعت مرتد کے لئے ہے نہ مسلمان کے لئے چنانچہ مشہور ہے (مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود) یعنی جن کے لئے فاتحہ اور درود کا شرعاً حکم نہیں ہے وہ مرتد میت ہے نہ مسلمان میت تو یہ مثل شاہ صاحب کے قول کے

(۲۳۸): تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، آیت: ویعلمون السحر، کے تحت، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴، مطبع محمدیہ کردید۔

موافق ہوئے۔ اب میں جانب مخالف سے پوچھتا ہوں کہ جو امور مرتد کے لئے شرعاً ناجائز ہیں وہ امور اموات مسلمین کے لئے کیوں ناجائز بتاتے ہو۔ اور ایسے حکم میں کیوں اموات مسلمین کے لئے کوشش کرتے ہو۔ کہ شرعاً مرتد کے لئے مقرر ہیں۔ اور نیز شاہ صاحب کی تفسیر سے ثابت ہے کہ فاتحہ اور درود اور تلاوت قرآن اور استغفار بنا بر ضوابط معتزلہ اور خوارج مسلمان گناہ کبیرہ کرنے والے کے لئے بلا توبہ مرے نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ان دونوں فرقوں کے نزدیک ایسا شخص حکماً کافر ہے۔ تو شاہ صاحب نے ان کے قواعد کے بموجب فرمایا:

> پس او را در مقابر مسلمین دفن نباید کرد و برو نماز جنازہ نباید خواند و برائے او صدقات و فاتحہ و درود و تلاوت قرآن و استغفار نباید کرد کہ ایں امور مشروط بایمان اند" واذا فات الشرط فات المشروط" (۲۳۹)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ فاتحہ اور صدقات اور درود اور تلاوت قرآن اور استغفار کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمان کے لئے کہ توبہ نہ کرے معتزلہ اور خوارج کے مذہب کے بموجب ناجائز ہے۔ نہ اہل سنت کے نزدیک اس لئے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان اگر گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرے تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے فاتحہ اور درود و استغفار اور صدقات اور خیرات کرنا لازم ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنی تفسیر سورہ بقر میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> "شخص فرمان الٰہی را بجا نیارد و مرتکب کبیرہ یا مصر بر صغیرہ ماند بے آنکہ تدارکش بہ توبہ نماید وایں قسم شخص نزد اہلسنت مسلمان ست مگر آنکہ گناہ گار ست امید نجات او وقبول شفاعت در حق او وامکان عفو از

---

(۲۳۹) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، ھم فیہا خلدون الآیۃ کے تحت، جلد۱، صفحہ ۲۱۷، مطبع محمدیہ کردید.

گناہ او باید داشت و با او مناکحت و توارث جاری باید داشت و بعد از مردن اورا بآئین مسلمانان غسل باید داد و نماز باید خواند و در مقابر مسلمین دفن باید کرد۔ ولعنت بر او و تبرا از و و بغض او از جہت دین حرام ست۔ بلکہ امداد او باستغفار و فاتحہ و درود و صدقات و خیرات لازم باید شمرد'' (۲۴۰)

اگر جانب مخالف کہے کہ فاتحہ اور استغفار وغیرہما علیحدہ علیحدہ مردوں کے ثواب پہنچانے کے لئے ہم بھی جائز جانتے ہیں۔ مگر اس ہیئت اجتماعی کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب شاہ صاحب نے ان امور بالا کو باہم ایک دوسرے پر واؤ کے ذریعہ سے عطف کیا ہے اور واؤ کے عطف میں جمع جائز ہے جیسا کہ گذرا۔ اور جہاں چند امور جمع کرنا ناجائز ہو ان کو آپس میں واؤ کے ساتھ عطف کرنا زبان عربی میں ممنوع ہے چنانچہ سرور کائنات نے فرمایا

نہ کہو'' ما شاء الله و شاء فلان (لما فیه من التسویة بین الله وبین عباده فان الوا للجمع و الاشتراک مرقات ۱۲) لیکن کہو ماشاء الله ثم شاء فلان'' (۲۴۱)

اور ایسی ہی فارسی زبان میں اگر کوئی کہے'' ہر چہ خدا خواست وفلاں خواہد خواست خواہد شد'' (۲۴۲) ممنوع ہے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں چند امور کا جمع ہونا ممنوع ہو تو ان کا آپس میں عطف کرنا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ممنوع ہے اور نیز شاہ صاحب کی اگر فاتحہ سے جو ان کی عبارت میں وارد ہے فاتحہ شریف مرسومہ ہند مراد ہو تو ہمارا عین مدعا ہے اور اگر فاتحہ سے مطلق

---

(۲۴۰) : تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، ومایضل به الا الفسقین الایة کے تحت، جلد ۱، صفحہ ۹۶، مطبع محمدیہ کردید۔

(۲۴۱) : مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب باب الاسامی، ۹/۲۸]

(۲۴۲) : یہ فارسی عبارت اصل میں ایسی ہی پائی یقیناً کتابت کی غلطی ہے عبارت اس طرح ہونا چاہئے'' ہر چہ خدا خواست وفلاں خواست'' یعنی جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔

دعا مراد ہوتا ہم ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں کہ شاہ صاحب الحمد کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ بزبان بندگان وارد ہے یعنی بندوں کو چاہیے کہ مناجات اور دعا کے وقت میں اسی سورۃ کو اس طور پر جیسے کے اللہ نے نازل فرمائی ہے بغیر تغیر و تبدل کہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے۔

''ایں سورہ برزبان بندگان نزول یافتہ یعنی بندہ را باید کہ در حالت مناجات و دعا ایں طور بگوید۔'' (۲۴۳)

اب شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت ہوا کہ بوقت دعا الحمد شریف کا پڑھنا خلاف مرضی الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی کہ اپنی دعا اور مناجات اس طور پر کریں۔ اور اگر کوئی کہے کہ شاہ صاحب کی اس عبارت سے دعا میں فقط سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے نہ قل ہو اللہ اور یہاں دونوں ملا کر دعا میں پڑھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا آپس میں ملانا دعا کے وقت میں آداب دعا کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان دونوں کو بوقت دعا ملا کر پڑھنا عین دعا ہے اس لئے کہ ان میں اللہ کا ذکر اور ثنا اور توحید اور تنزیہ ہے اور فتح القدیر وغیرہ سے ثابت ہوا کہ یہ امور دعا ہیں اور نیز حدیث بخاری و مسلم میں واسطے دفع حزن کے توحید اور ذکر اور ثناءِ خدا، رسول اکرم سے مروی ہیں اور شیخ عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے تحت میں فرمایا کہ یہ امور دعا ہیں اور وہ عبارت یہ ہے:

(۲۴۳): تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی سورۃ الفاتحۃ، الحمد للہ رب العلمین الآیۃ کے تحت، جلد ۱، صفحہ ۳، مطبع محمدیہ کردید۔ (یہ سورہ بندوں کی زبان پر نازل کی گئی ہے یعنی بندہ کو چاہئے کہ مناجات اور دعا میں اسی طرح کہے جس طرح اللہ نے نازل فرمائی ہے۔)

" ان الدعاء قد یکون صریحا کماتقول اللھم اعطنی وقد یکون تعریضا کما ذا اثنی علی اللہ تعالی فان الثناء علی الکریم دعاءٌ "(۲۴۴)

سوال : جانب مخالف اپنی کتاب اتباع السنتہ کے صفحہ ۲۷ میں یہ تحریر کرتا ہے کہ

"فعل یہود یا دیگر کفار عبادات میں یا ہیئت وخصوصیات عبادات میں نا جائز و قابل ترک ہو جاتا ہے اگر چہ فی نفسہ ثابت ہو۔اب اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی فعل شرع سے ثابت ہو مگر کفار بھی ایسا فعل کرتے ہوں تو وہ فعل کفار کے کرنے کی وجہ سے نا جائز ہے۔"

جواب : جانب مخالف بالکل دینیات سے بے بہرہ اور اپنی ہوائے نفس کا پابند ہے۔ اور جائز کو ناجائز بتاتا ہے۔ اس لئے کہ فاتحہ مقدسہ مرسومہ ہند میں الحمد اور استغفار اور درود شریف اور صدقات اور خیرات اموات کے لئے ہوتے ہیں اور بموجب تفسیر شاہ صاحب وغیرہ کے یہ امور اموات کے لئے مشروع ہیں۔ اور مشروع چیزوں میں بلا قصد مشابہت بکفار ممکن ہیں ہے چنانچہ شاہ صاحب تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مطلق مشابہت کفار گو در افعال مرضیہ الٰہی باشد موجب حرمت می شد لازم می آمد کہ حج و عمرہ و ختنہ و عقیقہ و صوم عاشوراء و قربانی و تعظیم اشہر حرم و تعظیم ہدی و قلائد و دیگر بقایائے ملت ابراہیمی کہ در کفار آں وقت رائج بود یا نماز کسوف وخسوف وصدقہ دادن دران وقت و آزاد کردن بردہ وضیافت مہمانان و مہیا داشتن آب بر سر راہہا برائے مسافران کہ

---

(۲۴۴) لمعات دستیاب نہیں ہوئی، ہاں البتہ لمعات کے حوالہ سے مشکوۃ کے حاشیہ میں محشی نے اپنے الفاظ میں اس مفہوم کو بیان کیا ہے۔ عبارت اس طرح ہے "تسمیۃ دعاء اما لان الثناء علی الکریم تعریض بالدعاء والسوال ..... کذافی اللمعات الخ[مشکوۃ المصابیح، باب الوقوف بعرفۃ، ص ۲۲۹، حاشیہ ۳]

معمول ہنودست نیز حرام میگشت''(۲۴۵)

اور نیز جانب مخالف برائے ایصال ثواب اموات فاتحہ مرسومہ میں فاتحہ ودرود کو منع کرتا ہے۔ اور کتاب کے اخیر میں الحمد اور درود شریف کو''اغوا'' کے بعد پڑھا ہے چنانچہ ان کی کتاب کی اخیر سطر یہ ہے :

''اخراغوانا ان الحمدلله رب العلمين والصلوة والسلام علے رسوله الكريم''

مخفی نہ رہے کہ میں نے یہ اعتراض اس ضابطۂ مہملہ کے بموجب کیا ہے جو جانب مخالف کا اپنی کتاب کلمۃ التقوی میں دستور العمل ہے۔ اور اس کتاب کو ایسے ہی اعتراضوں سے اخیر تک بھر دیا، اور جب کچھ بن نہ آیا تو عوام الناس کے بہکانے کے لئے یہ لکھا کہ مؤلف ذخیرۃ العقبیٰ نے اس آیت اور اس حدیث مین اتنی غلطیاں اور تحریفیں کیں۔ اور وہ اس سے بے خبر ہے کہ اگر ایسی غلطی تحریف ہوتی تو ہرگز کلام اللہ میں ایسی غلطی واقع نہ ہوتی اس لئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انا لهٗ لحفظون'' اور نیز قاعدہ یہ ہے کہ سوال کے موافق جواب ہونا چاہئے۔ اور جناب مولوی صاحب نے اپنی کتاب ''ذخیرۃ العقبیٰ''(۲۴۶)

---

(۲۴۵) : تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی سورۃ البقرۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۹۰، ومن تطوع خیرا فان الله شاکر علیم الایۃ کے تحت، مطبع محمدیہ کردید۔ ترجمہ: (اگر کفار سے مطلقاً مشابہت گوان کاموں میں جو مرضی الٰہی کے مطابق ہیں حرمت کا سبب ہوتی تو لازم آتا کہ حج اور عمرہ اور ختنہ اور عقیقہ اور عاشورے کا روزہ اور قربانی اور مبارک مہینوں کی تعظیم اور حرم کو قربانی کے واسطے لے جانے والے جانوروں اور ان کے گلوں میں ڈالے جانے والے ہاروں کی تعظیم اور دوسرے ملت ابراہیم کے شعائر کہ جو کفار میں اس وقت رائج تھے یا سورج اور چاند گہن کی نماز اور اس وقت صدقہ کرنا اور غلام آزاد کرنا اور مہمان نوازی کرنا اور مسافروں کے لئے سر راہ پینے کے لئے پانی رکھنا کہ ہندوؤں کا معمول ہے یہ سب باتیں بھی حرام ہوں۔)

(۲۴۶) :پورا نام ''ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب میلاد مصطفی''(اگلے صفحے پر)

میں ہر سوال کا ایسا جواب دیا ہے کہ جانب مخالف اگرتا دم اخیر غلطاں و پیچاں رہے تو اس سے جواب ممکن نہیں ہے اور جانب مخالف سے جب کچھ جواب بن نہ پڑا تو اس نے چند اعتراض اپنی کتاب میں لکھے۔ چنانچہ وہ یہ ہے کہ چھاپہ خانہ والوں کی غلطی سے عوام الناس کے سامنے اپنی بے علمی کی عار اور لاجواب ہونے کی شرم مٹانے لگا اور یہ چھاپہ خانہ والوں کی غلطی ذخیرۃ العقبیٰ کا جواب تصور کیجئے بھلا ایسا ہوسکتا ہے کہ عوام الناس ایسی گیدڑ بھبکیوں سے دھوکا کھائیں اس لئے کہ جاہل ان پڑھ بھی یہ جانتا ہے کہ چھاپہ خانہ والوں سے کلام اللہ میں بھی غلطی ہوتی ہے کیا ایسی غلطی سے اللہ تبارک تعالیٰ کے کمال میں کچھ نقصان اور کلام الٰہی کے اعجاز میں خلل اندازی ہوسکتی ہے:۔

آنکھیں اگر مندی ہیں تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

یا یہ اعتراض کیا ہے کہ مجلس میلاد شریف میں بھی فاسق فاجر جمع ہوتے ہیں۔ اب میں جانب مخالف سے پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ جیسے مجلس میلاد شریف میں بھی جمع ہوتے ہیں ویسے ہی آج کل کے مولویوں کے وعظ میں بھی جمع ہوتے ہیں کیا ان کے جمع ہونے سے نماز عیدین اور جمعہ اور صلوۃ جنازہ اور استسقا اور مولویوں کا وعظ شرک و بدعت ہوگا۔ یا یہ اعتراض کیا ہے کہ مولودخوان بطمع روٹی میلاد شریف بیان کرتا ہے یا اشعار نعتیہ راگ راگنیوں سے گاتا ہے یا موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔ اور مولودخوانوں کا یہ جواب ہے کہ ہم بیان میلاد شریف حسبۃً للہ کرتے ہیں اگر کسی نے ہماری ضیافت کی تو ہم اس کی دعوت رد نہیں کرتے جیسے اور

مصنفہ: حضرت العلام مولانا محمد گل علیہ الرحمۃ اشاعت اول ۱۸۹۳ء کو مطبع گلزار احمدی مرادآباد سے ہوئی اور دوسری مرتبہ یہ رسالہ مطبع ریاض الہند آگرہ سے شائع ہوا اور تیسری مرتبہ ۱۹۲۰ء میں ماہنامہ السواد الاعظم میں قسطوار اس رسالہ کو شائع کیا گیا۔

(بحوالہ مضمون غیر مطبوع از قلم:۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین جنرل سکریٹری بزم حمد و نعت مرادآباد)

وعظوں کا حال ہے ایسے ہی ہمارا بھی ہے۔ بلکہ یہ طعن اور اعتراض ہندوستان کے جمیع مولویوں پر وارد ہوسکتا ہے کہ مدرسوں میں بلا طمع تنخواہ دینیات بھی نہیں پڑھاتے ہیں غرض کہ اس اعتراض میں ایسے لوگ بھی داخل ہوں گے کہ جو تمام ہندوستان کے پیشوا و مقتدا کہلاتے ہیں۔ یہ تو کلمۃ التقوی کی اجمالی کیفیت ہے جو میں نے بیان کی اور تفصیلی مدلل بدلائل شرعیہ چھاپ کر انشاء اللہ عنقریب ہدیہ ناظرین کروں گا اور اتباع سنت کا حال تو اسی فیضان رحمت سے بخوبی معلوم ہوگا۔

تمت

تاریخ کتاب ہٰذا از نتائج طبع قامع بدعت ناثر و ناظم عربی و فارسی
مولانا محمد نور عالم صاحب موحد پنجابی سلّمہٗ

سال المصنف التاریخ منی
اخترت لہٗ الحساب قلت
اخراج عدد الحروف من ذا
هـذا نعم الكتاب قلت
۱۳۲۰ھ

ولہ

نعیم الدین ید بیضا نمودہ
کہ تالیفش ملائک راسبق شد
پئے الش سرِ دشمن گرفتہ
رقم کن اے قلم اثبات حق شد
۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد شاعرِ یکتا فصیح بے ہمتا

منشی فرید احمد صاحب وفاؔ مرادآبادی

دلیلوں کا مخزن ہے فیضانِ رحمت حدیثوں کا ہر جا ہے اس میں حوالہ

وفاؔ کیوں نہ شمس و قمر داغ کھائیں یہ برہان قاطع ہے روشن رسالہ

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد مہندس دوراں یکتائے زماں

منشی ایزد بخش صاحب نیرنگؔ مرادآبادی

ہوئی طبع نیرنگ فیضانِ رحمت کہ بہر دلِ دشمناں تیر ہے یہ

لکھی اس کی تاریخ منقوط میں نے گلوئے مخالف کو شمشیر ہے یہ

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ شاعر بے بدل ناثر بے مثل

منشی علی حسین صاحب صہباؔ مرادآبادی

طبیعت کیا ہے مولانا نعیم الدین نے پائی کہ لکھا ہے قلم برداشتہ فیضانِ رحمت کو

عدو کا سر اُڑا کر یوں لکھو تاریخ اے صہباؔ چھپائے منفعل ہو کر عدو اب اپنی صورت کو

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع اوّل از پیر طریقت پروفیسر

حضرت علامہ مولانا مفتی سیّد محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی مدظلہ العالی

سابق استاذ شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

زہے فیضانِ رحمت اے شمسی — قول صدرالافاضل است سدید
ساعقہ بار شد کتابِ لطیف — بہر بد مذہبانِ عصرِ جدید
بہر تاریخ طبع اوّلِ آں — ہاتف غیب گفت ضرب شدید
۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع جدید

داد کے قابل ہیں مولانا محمد ذوالفقار
جن کی کاوش سے کھلا فیضانِ رحمت کا چمن
باعثِ لطف اہل سنّت کے لئے ہے یہ کتاب
وجہ قہراب تک ہیں جس سے نجد کے دشت ودمن
طبع ثانی کے لئے شمسی بگوشِ ہوش سن
ہے صدائے ہاتفِ غیبی فروغ انجمن
۱۴۳۰ھ

اِیقاظُ الجُل

لردِّ

تَنبِیہُ الکُلُ

مؤلفہ

حضرت مولانا منیر محمد ولایتی رحمۃ اللہ علیہ
(شاگرد حضرت مولانا محمد گل خاں صاحب کابلی رحمۃ اللہ علیہ)

(سن تالیف ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

حضرت مولانا محمد گل خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''براہین بینہ براثبات نذورمعینہ'' تالیف کی جس کے رد میں مخالفین کی جانب سے ایک کتاب ''تنبیہ الکل'' لکھی گئی۔ لیکن کتاب میں صریحاً سوائے ایک جگہ کے مولانا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہیں کھولا گیا تھا۔ البتہ کتاب کے حاشیہ میں حضرت مولانا کی کتاب کی عبارت درج کی گئی تھی۔ جیسا کہ مولانا منیر محمد ولایتی رحمۃ اللہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

''صاحبان کتب تنبیہ الکل نے کوئی عبارت جناب استادی جامع معقول ومنقول حامی دین متین کے رد کرنے کے واسطے اپنی کتاب کے متن مین درج نہیں کی ہاں حاشیہ پر صرف واسطے دھوکہ دہی عوام الناس کے عبارت چڑھائی تا کران کی کتاب اسی دھوکہ دہی سے آنہ آدہ آنہ کو بک جائے مگر اپنی کتاب کے اخیر میں ایک جگہ مولانا صاحب کا نام واسطے اعتراض کے ذکر کیا ہے۔''

جب یہ کتاب منظر عام پر آگئی تب حضرت مولانا منیر محمد ولایتی جیسے شاگرد رشید کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے اُستاذ کی شان میں کوئی بے جا اعتراض برداشت کرسکتے۔ لہٰذا مولانا منیر محمد ولایتی نے فوراً ہی اُس حصہ کا رد لکھا، جہاں اُستاذ محترم پر اعتراض کیا گیا تھا۔ جیسا مولانا منیر محمد صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

''لہٰذا اولاً وہاں سے ان صاحبوں کا رد شروع کر کے (جہاں سے اُستاذ محترم پر اعتراض کیا گیا ہے) کتاب کے اخیر تک پہنچا کر شائع کیا۔''

اس کتاب میں اُستاذ محترم پر کیے گئے اعتراض کے علاوہ حضرت مولانا منیر محمد

صاحب نے دیگر غلطیوں کا جواب بھی دیا جن کا تعلق حضرت مولانا گل صاحب رحمۃ اللہ سے نہیں ہے لیکن وہ فی نفسہ عقائد کی غلطیاں ہیں۔

یہ رسالہ صرف آدھے دن میں تحریر کیا گیا تھا اس لئے اس رسالہ کو نیمروزی کا لقب بھی دیا گیا۔ یہ رسالہ مطبع احسن المطابع مراد آباد میں جناب حافظ امان علی صاحب کے کوشش سے چھپا تھا۔

فریق مخالف کے لئے کتاب میں اکثر صاحب کتاب کی جگہ صاحبان کتاب لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی منیر صاحب کا عندیہ یہ رہا ہے کہ یہ کتاب کسی ایک شخص نے نہیں لکھی بلکہ کئی لوگوں نے مل کر یہ کتاب تیار کی ہے۔

یہ رسالہ مولانا منیر محمد ولایتی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا اُس وقت آپ مدرسہ امدادیہ میں تیسری جماعت کے طالب علم تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۸۸۷ء میں مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لیا ہوگا۔ سوائے اس کے حضرت مولانا منیر محمد ولایتی صاحب کے تعلق سے دیگر کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ البتہ لاحقہ ولایتی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق بھی افغانستان سے ہی تھا۔ جیسا کہ خلیل احمد رانا صاحب لکھتے ہیں کہ:

”گذشتہ صدی میں ولایت افغانستان سے ہجرت کر کے
آنے والے علماء کرام کے نام کے ساتھ ولایتی لکھا جاتا تھا۔“

محمد آصف حسین

۱۰ر فروری ۲۰۰۹ء

بھٹی محلہ، مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

محقق کہتے ہیں

"اب رسومات مروجہ ہند جن کو مولوی صاحب نے اپنے رسالہ "نذور معینہ" میں بیان فرمایا ہے جیسے توشہ شاہ عبدالحق صاحب وشربت وکھچڑا امامین علیہ السلام اور گیارہویں بڑے پیر صاحب اور کونڈا جلال الدین بخاری صاحب اور صحنک بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا وحلوہ شب برات بنام اموات بلحاظ عوام الناس سب کے سب شریعت مصطفویہ میں حرام قرار دیے گئے کیوں کہ یہ سب رسوم مروجہ مذکورہ اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا اوروں کے نام سے شہرت زدہ ہیں۔ چنانچہ یہ کوئی نہیں کہتا ہے کہ یہ توشہ اللہ میاں کا ہے یا یہ کونڈا اللہ میاں کا ہے یا یہ گیارہویں اللہ میاں کی ہے علی ہٰذا القیاس اور رسوم مروجہ میں بھی اللہ میاں کا نام تو ندارد غیروں کے نام سے شہرت ہے"

اقول میں محقق سے استفسار کرتا ہوں کہ امور مسطورۂ ذیل سوائے اللہ کے اوروں کے نام سے شہرت زدہ ہیں تو یہ بھی آپ کے نزدیک شرک ہوگا۔ بلکہ رات دن جو آپ اپنی زبان پر لاتے ہیں تو آپ بھی مشرک ہوں گے۔ اور وہ امور یہ ہیں:-

سورہ عنکبوت، سورہ منافقون، سورہ دخان، سورہ نحل، سورہ یوسف، سورہ ابراہیم، سورہ محمد، سورہ بنی اسرائیل، سورہ فیل، سورہ قریش، سورہ تین، سورہ لیل، سورہ فجر، سورہ بلد، سورہ شمس، سورہ قیامت، سورہ مدثر، سورہ مزمل، سورہ جن، سورہ نوح، سورہ قلم، سورہ تحریم، سورہ تغابن، سورہ جمعہ، سورہ حشر، سورہ مجادلہ، سورہ حدید، سورہ قمر، سورہ نجم، سورہ طور، سورہ زمر، سورہ سبا،

سورہ احزاب، سورہ روم، سورہ نمل، سورہ بقر، سورہ حج، سورہ انبیاء، سورہ مریم، سورہ رعد، سورہ مائدہ، سورہ آل عمران، صلوۃ کسوف، صلوۃ خسوف، صلوۃ خوف، صلوۃ سفر، صلوۃ حضر، صوم مریض، زکوۃ بقر، زکوۃ غنم، صدقہ فطر، صلوۃ عشاء، صلوۃ ظہر، صلوۃ عصر، صلوۃ مغرب، صلوۃ صبح۔ یہ سب کے سب یا تو اللہ کا کلام یا خدائے پاک کی عبادتیں ہیں اور بظاہر کوئی نہیں کہتا ہے کہ یہ خدا کی سورتیں یا خدا کی نمازیں یا خدا کی زکوۃ ہے اگرچہ دل میں ضرور یہ بات ہے کہ یہ سب چیزیں خدا کے لئے ہیں اور خدا کے لئے مختص ہیں مگر زبان سے ان امور کو غیر کے نام سے بدیں طور شہرت دیتے ہیں کہ سورہ عنکبوت یعنی مکڑی کی سورت ہے یا نحل یعنی مکھی کی سورہ یا محمد یا یونس یا یوسف یا ابراہیم کی سورتیں ہیں یا چیونٹی یا ستارہ یا سورج یا چاند کی سورتیں ہیں اس لئے کہ یہ الفاظ بالا کے معنی ہیں اگر یہ شہرتیں سوائے خدا کے غیروں کے نام سے شرک اور کفر ہوں اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہوں تو تم بھی رات دن ان الفاظ کو مستعمل کرتے ہو اگر شرک اور بدعت ہوں تو سب سے پہلے اپنے آپ مشرک اور بدعتی ہوئے اور بالفرض اگر ایسے الفاظ کا استعمال شرک اور کفر ہو تو زمانہ رسول اللہ اور صحابہ کرام سے اس دم تک سب علما اور خدا پرست اور آپ کے پیشوایان یہ الفاظ مستعمل کرتے ہیں۔ اور بخاری اور مسلم و ترمذی اور ماجہ وغیر ہا اور کتب تفاسیر اور فقہ میں وارد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کے قاعدہ کے بموجب آپ خود بذات شریف اور جمیع اہل اسلام اور صحابہ کرام نعوذ باللہ من ذالک اور علمائے مفسرین اور محدثین جیسے بخاری اور مسلم وغیرہما تک مشرک ہوں گے اس لئے کہ ان سب نے یہ الفاظ مستعمل کئے ہیں ان کی کتب میں متفرق طور پر موجود ہیں اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو مجھ سے سند طلب کرو۔ اور اگر آپ ان الفاظ کی کچھ تاویل کرتے ہو اور اس اضافت کو ادنیٰ ملابست کے لئے بتلاتے ہو تو ویسے ہی تاویل توشہ شاہ عبدالحق اور شربت اور کھچڑہ امامین اور گیارہویں بڑے پیر صاحب اور کونڈا جلال الدین بخاری اور صحنک بی بی فاطمہ اور حلوہ شب برات میں یہ لوگ بھی کرتے ہیں یعنی ان صدقات

دینے والوں کی یہ مراد ہو کہ ان بزرگان دین کو ان صدقات کی نسبت اور اضافت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ صدقات واسطے ایصال ثواب ان بزرگوں کے ہے جیسے سعد بن عبادہ نے واسطے ایصال ثواب اپنی والدہ مردہ کے کنواں تیار کیا اور کہا **ھذا لام سعد**

علی ہٰذ القیاس توشہ عبد الحق صاحب اور کھچڑہ امامین اور گیارہویں بڑے پیر صاحب اور کونڈا جلال الدین بخاری وغیرہا سے یہ مراد ہے کہ واسطے ایصال ثواب شاہ عبد الحق اور شیخ عبد القادر جیلانی کے ہے تو یہ بالکل جائز ہے اور نا جائز شہرت لغیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ مانند **ھذا لام سعد** یا سورہ عنکبوت اور سورہ فیل اور صدقہ فطر کے مانند ہے جیسے وہ جائز ویسے یہ جائز۔

اور نیز ہمارے مولانا صاحب قامع بدعت جامع شریعت وطریقت مجدد دین نبوی عامل بحدیث مصطفوی محمود خلائق محبّ خالق اعنی جناب الحاج استاذنا مولوی محمد گل خاں صاحب جامع معقول ومنقول ''براہین بینہ'' کے صفحہ ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''میں بھی نذر لغیر اللہ کو نا جائز اور ان امور کے لئے ایک خاص روز (کو) فرض اور واجب (سمجھنا) بدعت جانتا ہوں۔''

اب خوب دیکھو کہ جن علما کے اقوال آپ نے نقل کئے ہیں وہ میرے مولانا صاحب مجمع القابہ کے موافق ہیں یا نہیں؟ سچ ہے کہ علما کے اختلاف نیم ملا خطرہ ایمان اور نیم حکیم خطرہ جان کیا سمجھیں۔

اگر محقق کہیں کہ ایصال ثواب کے واسطے مردوں کا نام لینا جائز ہے نہ کہ پرستش کے لئے تو جناب مولانا صاحب کی بھی یہی مراد ہے کہ اگر پرستش کے لئے نام لیویں تو نا جائز ہے۔

اگر محقق صاحب یہ کہیں کہ یہاں ہندوستان میں ایسے موقعوں پر نام لینے سے اس نام والے کی پرستش منظور ہوتی ہے لہٰذا جس کو نام لینے سے ان بزرگوں کے پرستش منظور نہ ہو بلکہ منظور ایصال ثواب ہو تا ہم اس کو مشرک اور بدعتی کہو گے؟ تو اس تقدیر پر محقق سے یہ

استفسار ہے کہ ہندوستان میں رنڈی بازی اور شراب نوشی کا بھی رواج ہے تو کیا محقق صاحب اگر رنڈی بازی اور شراب نوشی نہیں کرتے تاہم گنہگار ہیں یا نہیں ہیں؟

اگر محقق صاحب یہ کہیں کہ گنہگار نہیں ہیں کیوں کہ ایک کا گناہ دوسرے کے ذمہ پر ازروئے شرع شریف بموجب **ولا تزرو وازرۃ وزر اُخریٰ** کے نہیں لگایا جاتا ہے تو ہم بھی محقق سے کہتے ہیں کہ جو شخص کسی مردہ کا نام طعام وغیرہ پر اس لحاظ سے لے کہ اس کی پرستش منظور ہو تو یہ شرک اور کفر ہے مگر اس کا شرک اور کفر کیوں ان لوگوں کے پر لگاتے ہیں جو یہ نام صرف واسطے ایصال ثواب کے لیتے ہیں نہ پرستش کے لئے۔

اگر محقق یہ کہیں کہ نام لینا کسی مردہ کا واسطے ایصال ثواب ئے بھی شرک اور کفر ہے تو محقق اس کی سند کسی کتاب معتبر سے دیں یا ہم سے سند لیں کہ نام لینا مردہ کا واسطے ایصال ثواب کے مستحب ہے جیسے صحاح ستہ میں وارد ہے کہ سعد بن عبادہ نے کنواں تیار کیا اور کہا **ھذا لام سعد** یعنی یہ کنواں اُم سعد کے یصال ثواب کے لئے ہے حالانکہ سعد کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔

محقق صاحب نے اللہ پر میاں کا اطلاق کیا۔اب ان سے یہ استفسار ہے کہ:-

قرآن یا حدیث یا اجماع اُمت میں کہیں خدا پر میاں کا اطلاق آیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آپ نے یہ بدعت خدا کی شان میں کیوں پسند کی کہ اللہ میاں کہنے لگے نیز اور لوگوں کو بھی ترغیب دی کہ لفظ اللہ کے ساتھ لفظ میاں ملا کر کہئے اور باوجودیکہ خدا کے اسماء توقیفیہ نہیں بتلاتے ہیں؟

ذرا شرح عقائد اور خیالی کو دیکھو کہ ان میں لکھا ہے اور ان کی عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پر ایسے نام کا اطلاق کہ نہ آیت اور نہ حدیث اور نہ اجماع امت سے ثابت ہو اگرچہ ہم معنی اور لازم اس اسم خدا کے ہو کہ شرع میں وارد ہے تاہم جائز نہیں اور اگر یہ اطلاق موجود ہو تو بتاؤ کہ کہاں پر قرآن یا حدیث یا اجماع امت میں میاں کا اطلاق خدا پر آیا ہے؟ یا

شاید آپ نے اس محاورہ اہل ہند سے یہ اطلاق ماخوذ کیا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو میاں کہتی ہیں نعوذ باللہ من ذلک اور قطع نظر اس سے آپ لوگوں کا یہ شیوہ ہے کہ خدا کو میاں اور رسول اللہ کو بڑا بھائی اور اپنے پیشوا کو میاں صاحب کہتے ہیں۔

دیکھو خدائے عز وجل کو تو سوکھا پوکھا میاں کہنے لگے نہ جل جلالہ اور نہ تبارک وتعالیٰ اسکے نام کے ساتھ لگایا اور اپنے پیشوا کی تعظیم میں لفظ صاحب بھی واسطے تعظیم کے بڑھاتے ہیں تو گویا خدا کی تعظیم کے الفاظ سے اپنے پیشوا کے لئے تعظیمی الفاظ زیادہ استعمال کرتے ہیں اور علاوہ بریں اگر کوئی کسی کا عبد میاں یا غلام میاں نام رکھے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ شرک اور بدعت ہے اس لئے کہ یہ شخص خدا کا عبد ہے نہ میاں کا اور باوجودیکہ خود بدولت اللہ کو میاں کہتے ہیں اور میاں اس کے لئے نام ٹھہراتے ہیں۔

بالفرض اگر میاں خدائے تعالیٰ کا نام ہے جیسے تم نے اصطلاح باندھی تو عبد میاں ایسا ہوا جیسے عبد اللہ اور عبد الرحیم نام رکھنا شرک نہیں ہے اور عبد میاں شرک ہے اور نیز بالفرض اگر کوئی شخص یا میاں یا میاں کا وظیفہ مانند یا رحمٰن یا رحیم واسطے حل مشکلات کے روز پڑھے تو یا میاں کا وظیفہ شرک اور یا رحیم کا شرک نہیں ہے!

کیا وجہ ہے کہ لفظ (یا) کے ساتھ میاں کو ندا کرنا اور اس سے مدد مانگنا اور اس کو حاضر ناظر جاننا کفر اور شرک ہے اور یا رحمٰن یا رحیم کا وظیفہ کفر نہیں ہے؟ باوجودیکہ تمہاری اصطلاح کے بموجب جیسے یا رحمٰن اور یا رحیم خدا کا نام ہے ویسے میاں بھی خدا کا ایک نام ہے۔

اگر محقق کہیں کہ اللہ- اور- میاں، دونوں مل کر خدا کا نام ہے اور تنہا میاں خدا کا نام نہیں ہے تو **اول غلطی** آپ کی یہ ہے کہ قول آپ کا قرآن- اور- حدیث- اور- اجماع اُمت سے برخلاف ہے کہ ان میں کسی جگہ نہیں آیا ہے کہ یہ مجموعہ اللہ کا نام ہے۔ اور **دوئم غلطی** یہ ہے کہ آپ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا کہ صرف میاں کا اطلاق خدا پر ہوتا ہے۔

افسوس! اوروں کی عیب جوئی میں مشغول اور اپنے گھر سے بیخبر۔ بغل میں بچہ شہر

میں ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں یعنی اپنے گھر کی بدعت سے بیخبر اور دوسرے لوگوں کے در پے ہیں نیز اور لوگ تو بزرگوں اور اولیا کی شان میں بدعت کرتے ہیں لیکن آپ نے خدا کی شان اور اسماء میں بدعت کی۔ شاید آپ نے اس مثل معروف پر عمل کیا ہوگا کہ (خاک از تودہ کلاں) یعنی بدعت بڑے موقع میں کرنی چاہئے (بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا)۔ یعنی دیکھو کہ ما بین بدعت آپ کے اور باقی لوگوں کے محقق نے رسالہ کے اختتام پر صفحہ ۱۶ میں مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراط مستقیم سے اپنے مدعا کی تائید میں یہ قول نقل کیا ہے حالانکہ صراط مستقیم کے یہ قول ہمارے موافق ہے نہ کہ محقق کے، وہ قول یہ ہے:-

"پس صحنک وتوشہا کہ ساختہ وپرداختہ پستیان ست وبتلاحق
افکار رویہ حقیقی نہایت دور از حق پیدا شدہ۔"

اقول محقق کے پیشوا کا قول بالا ہمارے مدعا کے لئے موئید ہے اس لئے وہ لکھتے ہیں کہ صحنک اور توشہ متاخرین کی ایجاد ہیں اور بسبب ملنے افکار رویہ کے حق سے دور ہوا نہ یہ کہ فی نفسہ توشہ وغیرہ امر ناشائستہ ہے اور حق سے دور ہے اور بعینہٖ یہی مقولہ ہمارے جناب استادی صاحب کا ہے کہ توشہ وغیرہ فی نفسہ اچھا ہے اور کرنا اس کا مستحسن ہے اور برے خیالات کے سبب سے یعنی اگر اس توشہ وغیرہ سے صرف غیر اللہ کی پرستش منظور ہو تو ناجائز ہے۔

نیز محقق نے اپنے مدعا کی تائید کے واسطے صفحہ مذکور میں صراط مستقیم کا یہ قول نقل کیا ہے:

"درمحو آن سعی باید کرد چہ ایں قیود شدہ شدہ بقبائح انجامید۔"

اقول اس قول سے صاف ہمارا مدعا ثابت ہوا اس لئے کہ یہ قیود رفتہ رفتہ انجام میں خرابی پیدا ہوئی نہ یہ کہ ابتدا میں یہ امور فی نفسہ خراب تھے بلکہ رفتہ رفتہ ان قیود میں خرابی پیدا ہوئی اور ہمارے حضرت استادی صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان امور کو فرض اور واجب نہ سمجھنا چاہئے تا کہ صحنک وتوشہ وغیرہا میں ایسی خرابی پیدا نہ ہو۔

نیز محقق نے یہ قول صراط مستقیم اپنے مدعا کے تائید میں نقل کیا ہے حالانکہ ان کے مدعا سے برخلاف ہے وہ یہ ہے:۔

"وآن قیود ضرور تر از قیود شرعیہ در اذہان جہلا قرار یافتہ کہ
التزام آن را جزو اسلام وایمان مے پندارند وتارک وساعی
را در ہدم اساس آن خارج از ایمان می شمارند وچون التزام
رسوم باین رسید بالکل قلب مطلوب وعکس مقصود گردیدہ
واجب الترک می گردد۔"

اقول مولوی اسمٰعیل صاحب کے اس قول سے ثابت ہوا چونکہ یہ قیود جاہلوں کے ذہن میں قیود شرعیہ سے زیادہ راسخ اور مضبوط ہیں ااور اسلام اور ایمان کا ان چیزوں کو جز سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں اور ان قیود کو بگاڑنے والوں کو ایمان سے خارج اور کافر جانتے ہیں لہٰذا یہ قیود نا جائز ہوئیں۔ اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی ان قیودات کو قیودات شرعیہ سے زیادہ سمجھ کر ایمان کا جز ٹھہرائے تو یہ بدعت اور ناروا ہے اور اگر کوئی شخص ان قیودات کو ویسے نہ سمجھے جیسے مولوی صاحب نے بیان کیا تو درست ہے۔

دیکھو مولوی اسمٰعیل صاحب کو مقتداء سمجھ کر ان کے اقوال کی پیروی بھی نہیں کرتے ہیں اور ان کے اقوال کو بمقتضائے اپنی خواہش نفس اُلٹے معنی لگاتے ہیں۔

نیز محقق صاحب نے اپنی تائید کے لئے یہ قول صراط مستقیم کا نقل کیا ہے:۔

"وحقیقت آنست کسانیکہ در نیاز ونذر ارتکاب معاصی وکفر میکنند ایشا
ل را ایصال ثواب منظور نیست بلکہ شرک میکنند ومی دانند کہ ایں کار
برائے بزرگاں می کنم معنی عبادت خدا ہرگز در ذہن ایشان نمی باشد
دلیلش آں کہ ہر کہ در توشہا ونیازہائے بزرگان مبلغان کثیرہ صرف
کردہ باشد اگر ازوے پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ
گفت نہ فاحفظ ہذا۔"

اقــول ہم بھی یہی کہتے ہیں اگر کوئی بزرگوں کی ایسی نذر و نیاز کرے کہ اس میں کفر اور معاصی کا ارتکاب ہو اور خدا کی عبادت اس کے ذہن میں ہرگز نہ ہو اور اس خیرات سے صرف بزرگوں کی پرستش منظور ہو اور یہ کہے کہ میں نے خدا کے لئے کچھ نہیں کیا بلکہ بزرگوں کی نیاز اور پرستش کی تو ایسی نذر و نیاز کو ہم بھی ناجائز اور شرک جانتے ہیں اور کرنے والوں کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی نذر کی خیرات خالص عبادتاً للہ کرے اور اس کا ثواب بزرگوں اور صلحا اور اپنے اموات کو بخشے تو اس کو ہم اور مستحسن جانتے ہیں اور تمہارے پیشوا مولوی اسمٰعیل صاحب نے بھی کبھی ایسے عقائد والوں کی بہ نسبت برائی نہیں لکھی ہے مگر آپ نے اپنے کمال خوبی علم اور تحقیق وافر سے یہ امور مخترع کئے ہیں ہم تو ایسی تحقیق اور علم سے پناہ مانگتے ہیں کہ صراط مستقیم سے ہٹادیں اور گمراہی میں ڈالیں۔

محقق نے بطور نصیحت مولوی اسمٰعیل صاحب اس قول کے اخیر میں لکھا ہے کہ فاحفظ ہذا یعنی اس کو یاد رکھ مگر میرے نزدیک محقق نے اس فقرہ نصیحت میں بھی غلطی کی اس لئے کہ کبھی حفظ اقوال بغیر سمجھے مطالب کے بھی ہوتا ہے جیسے محقق کو یہ کیفیت در پیش ہے لہٰذا میرے نزدیک فاحفظ ہذا کی جگہ فافہم ہذا بہتر ہے۔

نیز مولانا رفیع الدین صاحب برادر شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی نے درباب ان تخصصات اور اضافات کے دریافت کیا تھا اور انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب جائز ہیں چنانچہ اس استفسار کو مع جواب کے بجنسہٖ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

سوال: تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگان مثل کھچڑہ در فاتحہ امام حسین، توشہ در فاتحہ شیخ عبدالحق وغیر ذلک و ہم چناں تخصیص خورندگان چہ حکم دارد۔

جواب: فاتحہ و طعام کہ بے شبہ از مستحسنات ست و تخصصی کہ فعل مخصص باختیار اوست باعث منع نمی تواند شد ایں تخصصات کہ از قسم وعرف و عادات اند کہ بمصالح خاصہ و مناشی خفیہ ابتدا بظہور آمدہ رفتہ رفتہ شیوع یافتہ در حق کھچڑہ کہ صاحب درمختار و صاحب قنیہ و دیگر فقہا تصریح نمودہ اند

مہربان من اگر آپ کو یقین نہ ہو تو درمختار کی سند جوانھوں نے کھچڑہ محرم کو جائز لکھا ہے اور نیز معدن الجواہر میں دکھاؤں گا۔ باقی آپ کو اختیار ہے۔

تمّت

تمام ہوئی کتاب ایقاظ الجل رد رسالہ تنبیہ الکل

بتاریخ ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۱۷ھ بروز جمعہ

اعلان

صاحبان کتب تنبیہ الکل نے کوئی عبارت جناب استادی جامع معقول ومنقول حامی دین متین کی واسطے رد کرنے کے اپنی کتاب کے متن مین درج نہیں کی ہاں حاشیہ پر صرف واسطہ دھوکہ دہی عوام الناس کے عبارت چڑھائی تاکہ ان کی کتاب اسی دھوکہ دہی سے آنہ آدہ آنہ کو بک جائے مگر اپنی کتاب کے اخیر میں ایک جگہ مولانا صاحب کا نام واسطے اعتراض کے ذکر کیا ہے لہٰذا اولاً وہاں سے ان صاحبوں کا رد شروع کر کے کتاب کے اخیر تک پہنچا کر شائع کیا اور باقی ان کی کتاب میں جو فی نفسہٖ عقائد کی غلطی اور اہل اسلام کے اقوال کے برخلاف ہے رد کر کے شائع ہوتا ہے ۔ اگرچہ ان غلطیوں کا جناب مولانا صاحب کی کتاب سے کچھ نسبت اور تعلق نہیں ہے تاہم ظاہر کرنا ان غلطیوں کا ضروری ہے تاکہ عوام الناس ایسے عقائد سے بچیں اور ان کی بد دیانتی پر خبردار ہوں فقط

المعلن

منیر محمد ولایتی طالب علم مدرسہ امدادیہ مرادآبا

ماخذ ومراجع

اشعة اللمعات

اصول الشاشي مع الحاشية

البحر الرائق

الترغيب والترهيب

التلويح

الجامع الصغير للسيوطی

الدر المختار

الدرر المشتهره فی الاحاديث المشتهرة

السنن الكبرىٰ للبيهقی

الشهاب الثاقب

العرف الشذی شرح ترمذی

الفجر الصادق

المستدرک للحاكم

المعتصر من المختصر من مشكل الآثار

المعجم الاوسط للطبرانی

المعجم الصغير للطبرانی

المعجم الكبير للطبرانی

المؤطا للامام مالک

تاريخ نجد و حجاز

تفسير فتح العزيز (تفسير عزيزی فارسی)

تفسير موضح القرآن الشاه عبد القادر

تقريب التهذيب

تقوية الايمان

تكملته بحر الرائق

تنوير الابصار

حسامی

درمختار

ذخيرة العقبىٰ فی استحباب ميلاد مصطفی

سراج بهشتی زيور

سنن ابو داؤد

سنن البيهقی الكبری

سنن ترمذی

سنن نسائی

شرح النووی علی مسلم

شرح تهذيب

شرح عقائد نسفی

شعب الايمان للبيهقی

صحيح ابن حبان

صحيح ابن خزيمه

صحيح بخاری

صحیح مسلم — طحطاوی علی الدر المختار
طحطاوی علی مراقی الفلاح — عمدة القاری لملاعلی قاری
غایة الاوطار — فتاوی رشیدیه
فتاوی شامی — فتاوی عالمگیری
فتاوی قاضی خان ملحق بفتاوی عالمگیری — فتح الباری
فتح القدیر مع الکفایة — فضائل اعمال لزکریا
فواتح الرحموت — فیض القدیر
کتاب التحقیق المعروف بغایة التحقیق — کنز الایمان
کنز الدقائق — کنز العمال
گلستان سعدی — لمستدرک علی الصحیحن
لمعات التنقیح — مجمع الزوائد
مرقاة المفاتیح، — مسند الشهاب
مسند احمد — مسند الفردوس
مظاهر حق، — معانی الآثار للطحاوی
معجم الکبیر للطبرانی — مقدمه مشکوة للشیخ عبدالحق
منار، بحواله نور الانوار — نور الانوار
هدایه



تقسیم کار



مکتبہ نعیمیہ دہلی ۶

۴۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶ 011-23251926